اپریل ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

یقین : رُوحِ سعی و عمل

امیر تنظیم اسلامی کی ایک فکر انگیز تحریر

رزق و مال ۔ قرآن حکیم کی روشنی میں (۲)

مولانا محمد طاسین کا ایک گرانقدر مقالہ

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

جملہ رفقاء و احباب تنظیم اسلامی کی یاد دہانی کے لئے اطلاع ہے کہ
ان شاء اللہ العزیز اس سال

تنظیم اسلامی پاکستان کا

سالانہ اجتماع

جمعۃ المبارک ۱۷ر اپریل تا سوموار ۲۰ر اپریل ۹۲ء دوپہر

قرآن اکیڈمی لاہور

۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہوگا

تنظیم کے رفقاء واحباب ۱۷ر اپریل صبح دس بجے سے قبل اجتماع گاہ میں پہنچ جائیں ۔ واضح رہے کہ جامع القرآن ' قرآن اکیڈمی میں امیر تنظیم اسلامی کے خطاب قبل از نماز جمعہ (ساڑھے گیارہ بجے) سے سالانہ اجتماع کا آغاز ہو جائے گا۔

۱۷ر اپریل صبح ۶ بجے تا ۱۲ر بجے دوپہر لاہور ریلوے اسٹیشن پر استقبالیہ کیمپ قائم رہے گا بعد میں آنے والے حضرات کو خود قرآن اکیڈمی پہنچنا ہوگا۔
شرکاء اجتماع موسم کے مطابق بستر کے علاوہ ذاتی استعمال کی ضروری اشیاء ساتھ لے کر آئیں۔
اس اجتماع میں رفقائے تنظیم اسلامی کی ہمہ وقت شرکت لازم ہے۔

-----مزید برآں-----

سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل ۱۰ر اپریل بعد نماز عصر تا ۱۶ر اپریل دوپہر مبتدی رفقاء کے لئے اور سالانہ اجتماع کے متصلاً بعد ۲۰ر اپریل بعد نماز عصر تا ۲۶ر اپریل ملتزم رفقاء کے لئے تربیت گاہیں منعقد ہوں گی۔ وہ رفقاء جنہوں نے ابھی تربیت گاہوں میں شرکت نہیں کی اپنی متعلقہ تربیت گاہوں میں شرکت کی بھرپور کوشش کریں۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۱
شمارہ: ۴
شوال المکرم ۱۴۱۲ھ
اپریل ۱۹۹۲ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروزپور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعاتِ تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرض احوال ——— ۴
حافظ عاکف سعید

یقین : روح سعی و عمل ——— ۵
ڈاکٹر اسرار احمد

تنظیم کا سالانہ اجتماع ——— ۱۹
اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت
'میثاق' اور 'ندا' میں شائع شدہ بعض قیمتی تحریروں کے آئینے میں

کتابیات ——— ۲۴
تیسرا کبیرہ : جادو کرنا
زیر طبع کتاب 'کبائر' کے باب دوم کی فصل ثالث
مؤلف : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

رزق و مال ——— ۲۹
قرآن حکیم کی روشنی میں (دوسری قسط)

قرآن حکیم اور لباس ——— ۵۱
مولانا اخلاق حسین قاسمی

دعوت و تحریک ——— ۶۲
الاخوان المسلمون — قاضی ظفر الحق

افکار و آراء ——— ۷۰
آف دی ریکارڈ — میاں ساجد حمید

CALIPHATE IN PAKISTAN ——— ۸۰
What, why and How?
By Dr.Israr Ahmad

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

تنظیم اسلامی کے آئندہ سالانہ اجتماع کی اطلاع "میثاق" کے پچھلے شمارے کے ذریعے رفقاء و احباب تک پہنچا دی گئی تھی۔ یہ اجتماع ان شاء اللہ العزیز ۱۷ر اپریل تا ۲۰ر اپریل قرآن اکیڈمی ر قرآن آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہوگا۔ نظریاتی تنظیموں اور جماعتوں کی زندگی میں سالانہ اجتماعات کی جو اہمیت و افادیت ہوتی ہے' وہ محتاج بیان نہیں۔ اس ضمن میں پچھلے چند سالوں کے دوران تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماعات کے مواقع پر ماہنامہ "میثاق" اور "ندا" کے مختلف شماروں میں متعدد قابل قدر تحریریں شائع کی جا چکی ہیں۔ قند مکرر کے طور پر اور تذکیر و یاد دہانی کی پیش نظران میں سے بعض تحریریں شمارہ ھذا میں شامل کی گئی ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک فکر انگیز تحریر "یقین : روح سعی و عمل" بھی بطور خاص شامل اشاعت کی گئی ہے کہ ایک نظریاتی جماعت کے ارکان کو اپنے نصب العین سے وابستہ رہنے اور اس کے حصول کے لئے سرگرم عمل رہنے کے لئے جس شے کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہوتی ہے' وہ یہی سرمایہ یقین ہے کہ جس کے افلاس کے نتیجے میں بڑی بڑی اجتماعیتیں بھی علامہ کے اس مصرعے کا مصداق بن کر رہ جاتی ہیں کہ ع روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد! ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نوع کے کسی افلاس سے اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی رمضان المبارک کی ۲۳ویں شب کو ملتان میں دورہ ترجمہ قرآن کی تکمیل کرنے کے بعد اگلے ہی روز لاہور واپس تشریف لے آئے تھے۔ یہ پروگرام جو قرآن اکیڈمی ملتان کی زیر تعمیر عمارت میں ہوا' الحمد للہ کہ بہت بھرپور رہا۔ پروگرام کا آغاز روزانہ ۹ بجے شب سے ہوتا تھا اور قریباً تین بجے بلکہ بسا اوقات ساڑھے تین بجے صبح اختتام پذیر ہوتا تھا۔ دو صد سے زائد افراد روزانہ اس پروگرام میں شریک ہوتے رہے۔

۲۴/ رمضان المبارک کو واپس تشریف لانے کے باوجود اس ماہ مبارک کے دوران آنے والے پانچ جمعوں میں سے ابتدائی چار امیر تنظیم کے ملتان میں گزرے۔ قرآن اکیڈمی ملتان میں اجتماعات جمعہ کی حاضری غیر معمولی طور بہت زیادہ رہی۔ امیر محترم کے خطاب جمعہ کو سننے کے لئے لوگوں کا رجوع دیدنی تھا۔۔۔۔ قرآن اکیڈمی لاہور میں دورہ ترجمہ قرآن کی تکمیل گذشتہ شب یعنی ۲۷ویں شب کو ہوئی۔ چنانچہ ارادہ یہ ہے کہ ۲۸ویں اور ۲۹ویں شب امیر تنظیم اسلامی جامع القرآن میں نماز تراویح کے ساتھ سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کا مفصل بیان فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے۔

☆ ☆ ☆

الحمد للہ کہ قرآن اکیڈمی لاہور کے بعد اب

قرآن اکیڈمی کراچی میں بھی دینی تعلیم کے

ایک سالہ کورس

کا آغاز (۲ مئی ۹۲ء سے) ہو رہا ہے

☆ درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۵ اپریل ہے

☆ تفصیلات کے لئے قرآن اکیڈمی کراچی، D M 55 خیابان راحت، اسٹریٹ ۳۴، فیز۶ درخشاں، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی سے رجوع کریں۔

یقین:
رُوحِ سعی و عمل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ مقالہ ریڈیو پاکستان لاہور کے ماہ ربیع الاوّل کے پروگرام "خیر الوریٰ" میں بتاریخ ۱۴ جنوری ۱۹۸۰ء نشر ہوا۔

اَحْمَدُهٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم۔ اما بعد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

محترم صدرِ مجلس و مہمانِ خصوصی اور معزز سامعین!

یہ بات کہ یقین ہی انسان کی سعی و عمل کی اصل رُوح ہے اتنی ظاہر و باہر ہے کہ بظاہر اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا تحصیلِ حاصل نظر آتا ہے ــــ اس لئے کہ کون نہیں جانتا کہ انسانی شخصیت کے دو پہلو ہیں: ایک علمی یا فکری و نظری پہلو اور دوسرا عملی پہلو۔ اور ان دونوں کے مابین ایک نہایت گہرا اور مضبوط تعلق پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک سبب ہے اور دوسرا اُس کا نتیجہ اور اُن کے مابین لازم و ملزوم کی یہ نسبت اتنی قوی ہے کہ دونوں کو ایک ہی تصویر کے دو رُخ قرار دینا قطعاً غلط نہ ہوگا۔ یعنی ایک انسانی شخصیت کا باطنی و داخلی رُخ ہے اور دوسرا اس کا ظاہری و خارجی رُخ ــــ چنانچہ عام مشاہدہ ہے کہ جو باتیں انسان کے فکر و نظر میں رچتی بستی چلی جاتی ہیں، گویا جن اُمور پر یقین اس کے دل و دماغ میں راسخ ہوتا چلا جاتا ہے، اُن کے اثرات اس کے فعل و عمل، سعی و جہد اور طلب و جستجو میں نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر جتنا جتنا اضافہ اس یقین کی گہرائی و گیرائی میں ہوتا چلا جاتا ہے، اتنی ہی شدت

سعی وعمل میں بڑھتی چلی جاتی ہے ـــــ یہاں تک کہ کسی انسان کی سعی وعمل کے انداز اور طلب وجستجو کے رُخ سے اُس کے عقائد و نظریات بھی پوری صحّت کے ساتھ مستنبط کئے جا سکتے ہیں اور اُن کے سطحی یا راسخ ہونے کا بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا جا سکتا ہے ؛

البتّہ ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہ معاملہ انسان کے حقیقی اور واقعی افکار و نظریات یا بالفاظِ دیگر اس کی اصل ذہنی اقدار کا ہے، اُس کے مُبیّنہ عقائد یا مزعومہ خیالات و نظریات کا نہیں۔ اس لئے کہ قول و فعل کا وہ تضاد جو بہت سے انسانوں میں نظر آتا ہے، دراصل اس کے حقیقی و واقعی نظریات اور اس کے مبیّنہ عقائد کے فرق و تفاوت کا مظہر ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ خود اُسے اس کا ادراک و شعور ہو یا نہ ہو ـــــ اسی طرح کا ایک معاملہ ان مریض شخصیتوں کا بھی ہے جنھیں ضعفِ ارادہ کی بیماری لاحق ہوتی ہے، جس کے باعث ان کے حقیقی عقائد و نظریات بھی ان کے عمل پر پوری طرح اثر انداز نہیں ہو سکتے لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک استثنائی معاملہ ہے ورنہ عام اصول بہرحال یہی ہے کہ ایک نارمل انسان کی سعی وعمل کا رُخ بھی اس کے یقین ہی سے متعیّن ہوتا ہے اور اس کی شدّت و قوّت یا ضعف و اضمحلال کا دارومدار بھی یقین کی پختگی یا کمزوری ہی پر ہوتا ہے ؛

اس میں ہرگز کوئی شک یا شبہ نہیں ہے کہ حضرتِ خیر الوریٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم و فداہ آباءنا و اُمّہاتنا جن کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی سے یہ سلسلۂ تقاریر مُعَنْوَنْ ہے، کی تعلیم و تلقین اور تزکیہ و تربیت سے جو پیکرِ یقین اور مجسمۂ سعی وعمل جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تیار ہوئی تھی اس کی کوئی دوسری نظیر پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ البتّہ جب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے سے بات کی جائے تو یقین کے ضمن میں ایک وسیع تر اصطلاح سامنے آتی ہے ـــــ یعنی 'ایمان' اور سعی وعمل کے لئے ایک زیادہ حسین و جامع عنوان سامنے آتا ہے ـــــ یعنی 'جہاد' اور اِن دونوں کے مابین چولی دامن کے رشتے اور لازم و ملزوم کی نسبت کو واضح کیا گیا ہے قرآنِ حکیم میں متعدّد مقامات پر مختلف الفاظ و اسالیب میں۔ ان میں سے اہم ترین اور جامع ترین مقام تو ہے سورۂ حجرات کی آیت ۱۵ جہاں ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	"مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ	اور اس کے رسولؐ پر پھر شک میں نہیں پڑے
جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	اور جہاد کیا انہوں نے اپنے اموال اور اپنی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ	جانوں سے اللہ کی راہ میں (حقیقت میں)
الصّٰدِقُوْنَ ۝	صرف یہی لوگ سچے ہیں!"

یہی بات سورۂ صف میں ان الفاظ میں سامنے آتی ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ	"اے اہلِ ایمان! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں
عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ	اس کاروبار کی جانب جو تمہیں دردناک عذاب
اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	سے چھٹکارا دلا دے؟ ایمان محکم رکھو اللہ پر اور
وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ	اس کے رسولؐ پر۔ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے
وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	اموال اور اپنی جانوں سے، اگر تم صاحبِ علم ہو
تَعْلَمُوْنَ ۝	تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے!"

اور : "اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!" کے مصداق یہی حقیقت واضح کی گئی ہے سورۂ انفال کی آیت ۷۴ میں بدیں الفاظ :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا	"(یعنی) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا	ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں — اور وہ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ	جنھوں نے پناہ دی اور نصرت کی۔ یہی لوگ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝	ہیں حقیقتاً مومن، ان کے لئے مغفرت بھی ہے
	اور باعزت رزق بھی!"

ذہن و قلب کی وہ خاص کیفیت جو قرآن حکیم کی آیاتِ بیّنات اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم و تربیت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نفوس میں پیدا ہو گئی تھی — یا صحیح تر الفاظ میں جو قرآن حکیم کی آیاتِ بیّنات کے ذریعے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پیدا فرما دی تھی، بفحوائے الفاظ قرآنی : "هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ" (الحدید آیت ۹) اس کی تعبیر کے لئے

قرآنِ حکیم اگرچہ کہیں کہیں لفظِ 'یقین' بھی استعمال کرتا ہے بالخصوص آخرت کے ضمن میں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے لئے قرآن کی اصل اصطلاح 'ایمان' ہی کی ہے جو 'یقین' کی نسبت وسیع تر بھی ہے اور زیادہ بامعنی بھی۔

'یقین' کے لفظی معنی کے ضمن میں امام راغب اصفہانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "مُفرداتُ القرآن" میں لکھتے ہیں:

الیقینُ صِفَةُ العلم فوق المعرفَةِ والدّرایة و اخواتها۔ یقال علم الیقین ولا یقال معرفة الیقین وهو سَکونُ الفهمِ مَعَ ثَبَاتِ الحُکمِ

(یعنی، یقین اگرچہ علم ہی کی کیفیت کا نام ہے تاہم وہ مجرّد عقلی پہچان یا منطقی استدلال اور اس قبیل کی دوسری چیزوں سے بلند تر ہے۔ چنانچہ 'علم الیقین' تو کہا جاتا ہے لیکن معرفۃ الیقین نہیں بولا جاتا۔ گویا یقین وہ کیفیت ہے جس میں فہم و شعور کا ٹھہراؤ اور رائے کی پختگی دونوں شامل ہیں —!!

اس سے ایک تو یہ واضح ہوگیا کہ 'یقین' ایک خالص داخلی کیفیت کا نام ہے اور دوسرے یہ اشارہ بھی مل گیا کہ اس میں کسی بات کے صحیح یا مطابق واقعہ ہونے یا نہ ہونے سے کوئی بحث نہیں ہے۔ گویا 'یقین' صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی — ایمان کا معاملہ ان دونوں اعتبارات سے بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ ایک جانب تو اس میں "تصدیق بالقلب" کے ساتھ ساتھ "اِقرار باللّسان" بھی لازمی ہے اور دوسری جانب ایمان نام ہے نفس الامر کی ان ازلی و ابدی حقیقتوں پر یقین کا، جن کی شہادت خود فطرتِ انسانی میں مضمر ہے، لہٰذا اس کا اصل حاصل ہے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان یا بالفاظِ دیگر شخصیّتِ انسانی کا داخلی امن۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی یہ اساسی و بنیادی اصطلاح ماخوذ ہی 'امن' کے مادّے سے ہے۔ ❊

'ایمان'۔ 'امن' سے بابِ افعال کا مصدر ہے جس کے خواص میں 'تعدیہ' بھی شامل ہے۔ یعنی جو افعال ثلاثی مجرّد میں 'لازم' ہوتے ہیں وہ اس باب میں آکر بالعموم 'متعدّی' ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے لفظی معنی ہوئے 'امن دینا' — اور جب اس پر اضافہ ہو حروفِ جار 'با' یا 'لام' کا تو اس کے معنی ہوجاتے ہیں کسی کی تصدیق

کرنا۔ 'لام' کے ساتھ ہو تو عموماً سطحی اور سرسری سی تصدیق مراد ہوتی ہے اور 'با' کے ساتھ ہو تو پورے وثوق اور اعتماد والی تصدیق ـــــ واضح رہے کہ اصل مادّے یعنی 'امن' سے اس کا تعلق اب بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کسی شخص کی لائی ہوئی کسی خبر یا اس کے کسی دعوے کی تردید و تکذیب کا لازمی نتیجہ ردّ و قدح اور فتنہ و فساد ہے اور اس کی توثیق و تصدیق کا منطقی نتیجہ امن و سکون۔ چنانچہ اصطلاحِ شرع میں ایمان نام ہے: تصدیقٌ بما جاء بہ النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا، یعنی ان امورِ غیبی کی تصدیق کا جن کی خبر دی ہے محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ـــــ اور بالکل فطری اور منطقی طور پر اس کے دو رُخ یا دو پہلو ہیں: ایک خارجی و ظاہری یعنی "اقرار باللّسان" والا پہلو جس پر اس دُنیا میں کسی انسان کے مومن و مسلم قرار دیئے جانے کا دارومدار ہے۔ چنانچہ وہ کلمۂ شہادت کی صورت میں ارکانِ اسلام میں اوّلین رکن کی حیثیت سے شامل ہے اور دوسرا داخلی و باطنی پہلو جو عبارت ہے 'یقینِ قلبی' سے اور جو رکنِ رکین ہے ایمانِ حقیقی کا اور جس کا لازمی نتیجہ ہے جہاد یا مجاہدہ فی سبیل اللہ ـــــ!!

الغرض ایمانِ حقیقی ہی کا دوسرا نام یقین ہے اور اس کا محلّ 'قلب' ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں متعدّد مقامات پر ایمانِ حقیقی کا محلّ 'قلب' کو قرار دیا گیا جیسے:

(۱) سورۂ حجرات کی آیت ۷ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

(یعنی) اللہ نے محبوب بنا دیا ہے تمھارے نزدیک ایمان کو اور کھبا دیا ہے اسے تمھارے دلوں میں ـــــ!!

(۲) اور آیت ۱۴ میں بعض بدّوؤں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (یعنی ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

(۳) اسی طرح سورۂ مجادلہ کی آیت ۲۲ میں سچّے اور مخلص اہلِ ایمان کے بارے میں فرمایا:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

(یعنی) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں راسخ کر

الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ	دیا ہے ایمان اور تائید کی ہے ان کی اپنے خاص
وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا	فیض سے، اور داخل کریگا اُن کو اُن باغات میں
الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ	جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی جہاں وہ
عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ	ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی اور وہ اس سے
حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ	خوش۔ یہ جماعت ہے اللہ کی۔ سُن رکھو اللہ کی
ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	جماعت ہی فلاح پانے والی ہے ——!!

اس یقین قلبی کے تین مدارج قرآنِ حکیم نے متعیّن فرمائے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ ان میں سے مقدّم الذکر دونوں کا تذکرہ سورۂ تکاثر میں ہے اور مؤخر الذکر الفاظ دو جگہ آئے ہیں ایک سورۂ واقعہ میں اور دوسرے سورۂ حاقّہ میں —— ان تینوں کے مابین فرق و تفاوت کو آگ کی سادہ سی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کہیں دور سے دُھواں نظر آئے تو یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ وہاں آگ ہے۔ یہ علم الیقین کا پہلا درجہ ہے جس میں کسی شئے کے وجود کا یقین خود اس کے مشاہدے سے نہیں بلکہ اس کے آثار کے مشاہدے کی بنا پر ہوا ہے۔ گویا اس میں تعقّل و تفکر اور استدلال اور استنباط و استنتاج کا واسطہ پایا جاتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ خود آگے بڑھ کر اپنی آنکھ سے آگ کا مشاہدہ کر لیں، یہ عین الیقین ہے اور اس میں یقین کی شدّت پہلے کی نسبت یقیناً بہت زیادہ ہے تاہم ع: "آنچہ می بینم ببیدار یست یا رب یا بخواب!" کے مصداق ایک امکان باقی رہتا ہے کہ شاید وہ صرف صورتِ نار ہو فی الواقع نار نہ ہو۔ لیکن اگر اس آگ کی کوئی چنگاری اڑ کر آپ کی جلد پر پڑ جائے اور اس کی جلن اور سوزش آپ خود محسوس کر لیں تو اب یہ وسوسہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور یقین اپنے تکمیلی درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہے حق الیقین کا درجہ ——!!

چنانچہ یہی فرق و تفاوت ایمان کے مراتب و مدارج کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ اور اس ایمان سے قطع نظر جس میں ساری بحث 'اِقرار باللّسان' اور 'شہادت' سے ہے، تصدیق قلبی زیر بحث ہی نہیں آتی۔ حقیقی ایمان کے بھی بے شمار مراتب و مدارج ہیں۔ چنانچہ ایک ایمان ہما شما کا ہے اور ایک ایمان صدّیقِ اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا —— اور پھر ایک ایمان خود رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا

بفحوائے الفاظِ قرآنی: "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" یعنی "ایمان لائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کہ جو نازل کیا گیا اُن پر اُن کے ربّ کی جانب سے اور ایمان لائے اہلِ ایمان!" —— اور ان کے مابین نسبت و تناسب کا معاملہ بالکل وہی ہے کہ "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!" - گویا ایمان کے مابین مراتب و مدارج بے شمار ہیں - البتہ اس کو اُصولی طور پر دو درجوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے: ایک اپنی نوعیت کے اعتبار سے علم الیقین ہے اور دوسرا عین الیقین اور حق الیقین کا مجموعہ۔

واضح رہے کہ یوں تو اُمورِ ایمانی بہت سے ہیں، لیکن اصلاً ایمان نام ہے ایمان باللہ کا اور ایمان بالآخرت ہو یا ایمان بالرسالت یہ دونوں ایمان باللہ ہی کی فروع (COROLLARIES) ہیں - اس لئے کہ آخرت مظہر ہے اللہ کی صفتِ عدل کی اور رسالت مظہر ہے صفتِ ہدایت کی —— اب ایمان باللہ کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ انسان اللہ کے وجود اور اس کی صفات کو ان کے مظاہر و آثار سے مستنبط کرے بقولِ شاعر: ع "حق مری دسترس سے باہر ہے، حق کے آثار دیکھتا ہوں میں!" —— یہ علم الیقین کا درجہ ہے — یعنی معرفتِ الٰہی بذریعہ مشاہدۂ آیاتِ الٰہی اور واقعہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی ایک عظیم اکثریت کی رسائی بس یہیں تک ہو سکتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ایمان باللہ کے ضمن میں قرآن نے اسی اسلوب کو بتکرار و اعادہ اختیار فرمایا ہے - چنانچہ مکّی سورتوں میں وہ مضامین بکثرت اور شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جن کا خلاصہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۶۴ میں ایسی جامعیّت کے ساتھ آیا ہے کہ اگر اسے "آیت الآیات" قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	(یعنی) بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ	اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں اور اس کشتی
الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ	میں جو لوگوں کے لئے نفع بخش سامان لئے دریا میں
بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ	چلتی ہے، اور اللہ نے آسمان سے جو پانی اُتارا اور
اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ	زندہ کر دیا اُس سے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے
فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	کے بعد اور پھیلا دیئے اُس میں تمام اقسام کے

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ	جانور، اور ہواؤں کے چلنے میں اور بادل میں
تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ	جو مُسخّر ہے آسمان اور زمین کے درمیان نشانیاں
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لئے!
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝	

الغرض آیاتِ آفاقی پر تعقّل و تفکّر کے ذریعے بھی یقیناً ایمانِ حقیقی پیدا ہوتا ہے، لیکن یہ ہے بہرحال 'علم الیقین' ہی کے درجے میں، اور یہ سمجھنا غلطی ہی نہیں بہت بڑی گمراہی ہے کہ ایمان باللہ کا آخری درجہ یہی ہے۔ اللہ کی ہستی اور اُس کے وجود کا یقین انسان کو 'عین الیقین' بلکہ 'حق الیقین' کے درجے تک بھی حاصل ہو سکتا ہے بشرطیکہ انسان بفحوائے الفاظِ قرآنی: وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اور بقول علامہ اقبال مرحوم ع: "اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی!" اپنے باطنی شعور کو اُجاگر کرے اور دل کی آنکھ سے جمالِ الٰہی کا مشاہدہ کرے۔ چنانچہ یہی وہ بات ہے جسے علامہ اقبال مرحوم نے اپنے اس جدید علم الکلام کی اساس بنایا ہے جس کے اصول و مبادی انہوں نے اپنے مشہورِ زمانہ لیکچرز میں معیّن کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی یہ کہ مشاہدہ صرف خارجی نہیں ہوتا باطنی بھی ہوتا ہے — اور تجربہ صرف مادّی اور حسّی ہی نہیں ہوتا قلبی و روحانی بھی ہوتا ہے اور اس حسِّ باطنی کے اعتبار سے ایمان باللہ معقولات اور تصوّرات کے دائرے سے نکل کر محسوسات و مشاہدات کے دائرے میں آجاتا ہے، اور ایمان بندۂ مومن کا قال ہی نہیں حال بن جاتا ہے۔

یہ بات کہ ایمان 'عین الیقین' اور 'حق الیقین' کے درجے کو پہنچ سکتا ہے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے احوال سے نور و نورِ روشن کی طرح ثابت ہے ہی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور اور متفق علیہ حدیث سے نقلاً بھی ثابت ہے، جسے 'حدیثِ جبریل' سے موسوم کیا جاتا ہے اور جسے محدّثین نے اُس کے مضامین کی اہمیّت اور جامعیّت کے پیشِ نظر "اُمُّ السُّنّہ" قرار دیا ہے۔ اس میں حضرت جبریل علیہ السّلام کے اس سوال کے جواب میں کہ: "اخبرنی عن الاحسان!" یعنی "مجھے احسان کے بارے میں بتائیے!" — آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ !" ـــ یعنی : " یہ کہ تو اللہ کی اطاعت و عبادت میں اس شدتِ یقین سے سرگرم ہو جائے کہ جیسے تو اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو !"

الغرض یہ ہے ایمان باللہ کا وہ درجہ جسے 'عین الیقین' اور 'حق الیقین' سے تعبیر کیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ جہاں پہنچ کر انسان خود مجسّم یقین بن جاتا ہے ، اور یقین انسان کے روئیں روئیں سے پھوٹنے لگتا ہے۔ چنانچہ نہ یہ بات غلط ہے کہ : ع

" نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں !" ـــ اور نہ ہی یہ کوئی انہونی بات ہے کہ :

"یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے ٭ وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!"

ـــ البتّہ یہاں تک رسائی ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہو سکتی ، یہ درجہ صرف خواص کا ہے اور ظاہر ہے کہ : " وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ! "

یہاں مختصراً یہ بھی بیان ہو جائے تو مناسب رہے گا کہ قرآنِ حکیم ایمان بالآخرت کے ضمن میں خاص طور پر "یقین" کا ذکر کیوں کرتا ہے۔ دراصل عوامی سطح پر انسانوں کے عمل پر سب سے گہری چھاپ جس ایمان کی پڑتی ہے وہ ایمان بالآخرت ہی ہے۔ لہٰذا وہ عوام النّاس بھی جن کا ایمان ابھی 'اقرار' باللسان یا شہادت ہی کے درجے میں ہو اپنے عمل کی درستی کے لئے محتاج ہیں کہ کم از کم آخرت کے ضمن میں اُن کا ایمان 'علم الیقین' کے درجے کو لازماً پہنچ جائے ورنہ ایمان کے کوئی اثرات اُن کے افعال و اعمال پر قطعاً مترتّب نہ ہوں گے ـــ یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں بھی ایمان بالآخرت کے ضمن میں فرمایا : " وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ " ـــ اور اسی طرح سورۂ لقمان کے آغاز میں بھی فرمایا : " وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ " ۔ اور سورۂ جاثیہ میں بھی منکرین قیامت کے ذکر میں فرمایا :

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ	(یعنی) اور جب کہا گیا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے
وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ	اور قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں
مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ	تو تم نے کہا : ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ،
اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝	صرف ایک خیال سا تو ہمیں ہوتا ہے ، لیکن یقین نہیں آتا !

قصّہ مختصر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور قرآنِ حکیم کے حوالے سے بات ہو تو یقین کے

لئے وسیع تر اور کثیر الاستعمال اصطلاح تو ایمان ہی کی ہے لیکن ایمان کا جو پہلو انسانی شخصیت کے سعی و عمل والے پہلو سے متعلق ہے وہ یقین قلبی سے عبارت ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جسے قرآن جہاد یا مجاہدہ فی سبیل اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔

ایمان اور جہاد کے باہمی لزوم کے ضمن میں اس سے قبل قرآنِ حکیم کے تین مقامات کا حوالہ دیا جا چکا ہے لیکن ان میں سے اہم ترین مقام سورہ حجرات کی آیت ۱۵ ہے جس میں 'مومنِ حقیقی' کی "جامع و مانع" تعریف بیان ہوئی ہے۔ اس لئے بھی کہ اس کے آغاز و اختتام دونوں پر حصر کا اسلوب موجود ہے۔ یعنی آغاز بھی ہے کلمۂ " اِنّما" سے اور اختتام پر بھی اسم اشارہ " اُولٰٓئِکَ " پر اضافہ فرمایا گیا ہے اسم ضمیر " ھُمْ " کا۔ گویا ترجمہ ہوگا کہ : " مومن تو بس وہی ہیں ...! " اور " صرف وہی لوگ سچے ہیں ...! " ___ اور اس لئے بھی کہ اس سے قبل والی آیت یعنی آیت ۱۴ میں قرآن کے عام طرز بیان کے خلاف 'ایمان' اور 'اسلام' کا ذکر مقابلۃً کیا گیا ہے اور ایک کی نفی کلّی کے باوصف و باوجود دوسرے کا اثبات کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(یعنی) یہ بدّو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے (اے نبی!) کہہ دیجئے کہ تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ابھی تک تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا۔ البتہ اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند رہو تو تمہارے اعمال (کے اجر و ثواب) میں سے کچھ کم نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، رحم فرمانے والا ___!!

اس سلسلۂ کلام میں آپ سے آپ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حقیقی ایمان کسے کہتے ہیں اور حقیقی مومن کی تعریف کیا ہے؟ ___ چنانچہ اس سوال کا جواب ہے جو اگلی آیت میں دیا گیا۔ یعنی :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ

(یعنی) مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسول پر، پھر شک میں نہیں پڑے، اور جہاد کیا انہوں نے اپنے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (حجرات : ۱۵) — اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں صرف یہی لوگ (دعوئ ایمان میں) سچے ہیں!

اِس آیۂ مبارکہ میں "لَمْ یَرْتَابُوْا" کے الفاظِ مبارکہ نے ایمان کے "یقین" والے پہلو کو بالکل متعین کر دیا ہے، اور اس کے بعد کے الفاظ نے واضح کر دیا ہے کہ ایمانِ حقیقی کا لازمی نتیجہ جہاد و مجاہدہ فی سبیل اللہ ہے ٭

جہاد یا مجاہدہ — 'جُہد' کے مادّے سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے خواص میں مشارکت بھی ہے اور مقابلہ بھی ؛ یعنی ایک ایسی عملی کیفیت جس میں دو فریق شریک ہوں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے یا ایک دوسرے کو زک پہنچانے کے درپے ہوں۔ جیسے قتل ایک یکطرفہ فعل ہے جس میں ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کر دیتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ بھی اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہو۔ جبکہ قتال یا مقاتلہ ایک دوطرفہ عمل ہے جس میں دو فریق ایک دوسرے کے قتل کے ارادے ہی سے میدان میں اترتے ہیں۔ اسی طرح بحث ایک یکطرفہ فعل ہے جس میں ایک شخص کسی مسئلے کے بارے میں کھود کرید کر رہا ہوتا ہے — اور مباحثہ میں دو فریق شریک ہوتے ہیں اور دونوں اپنے موقف کو درست اور فریق مقابل کے موقف کو غلط ثابت کرنے پر تُلے ہوتے ہیں۔ اسی طرح 'جُہد' ایک یک طرفہ عمل ہے جس کا ترجمہ اُردو یا فارسی میں 'کوشش' ہوگا۔ جب کہ جہاد یا مجاہدہ ایک دو طرفہ عمل ہے جس کا ترجمہ اُردو یا فارسی میں 'کشمکش' ہوگا اور انگریزی میں — TO STRUGGLE

ایمانِ حقیقی یا یقینِ قلبی کے نتیجے میں جو کشمکش یا تصادم پیدا ہوتا ہے اُس کا اوّلین میدانِ کار انسان کی اپنی داخلی شخصیت ہے۔ جیسے ہی انسان کے قلب و ذہن نورِ ایمان سے منوّر ہوتے ہیں، اُس کے سفلی جذبات و خواہشات کے طوفان اس روشنی کو گل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ انسان کی حیوانی شخصیّت یا ID / EGO کی گہرائیوں اور اُس کے اندھیاروں کا مشاہدہ دورِ جدید کے علمائے نفسیات نے خوب کیا ہے، اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ ان کی کیفیت فی الواقع وہی ہے جو قرآنِ حکیم کی اس تمثیل میں بیان ہوئی کہ:

اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ — "یا جیسے اندھیرے گہرے سمندر میں، چھائی ہوئی ہو اس پر ایک موج، اور اس پر پھر ایک اور موج، اور پھر اس پر ایک بدلی، گویا

بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ط (النّور ۔ ۴۰) اندھیرے ہوں بعض پر بعض، تہ در تہ!"

اس پس منظر میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ہی انسان کے قلب و ذہن میں نورِ ایمان و یقین کی شمع روشن ہوتی ہے، شہوات و خواہشات کی ظلمات کے ساتھ اس کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہی وہ جہاد یا مجاہدہ ہے جسے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے افضل الجہاد قرار دیا ہے۔ یعنی جب آپؐ سے سوال کیا گیا کہ: "اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟" تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِی طَاعَۃِ اللّٰہِ"

اس جہاد میں جب اللہ انسان کو کامیابی عطا فرما دیتا ہے اور انسان کے نفسِ امّارہ پر قلب و رُوح کی تجلّیات غالب آ جاتی ہیں تو اس کا اوّلین نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کا اپنا عمل درست ہو جاتا ہے، گناہ اور معصیت سے نجات مل جاتی ہے اور انسانی شخصیت خیرات و حسنات کی آماج گاہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن میں بھی بے شمار مقامات پر ایمان کے فوراً بعد عملِ صالح کے ذکر کے ذریعے واضح کی گئی ہے اور حدیث شریف میں بھی مثبت پیرائے میں بھی بیان ہوئی ہے۔ یعنی مثلاً اس سوال کے جواب میں کہ "اَیُّ الْاِیْمَانِ اَحْسَنُ!" (یعنی اچھّا ایمان کون سا ہے) آپؐ نے فرمایا: "خُلُقٌ حَسَنٌ!" یعنی "وہ جس کے نتیجے میں اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں ـــــ اور منفی پیرائے میں بھی بیان ہوئی ہے، جیسے وہ مشہور روایت جس کی رُو سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی شاذ ہی ایسا ہوا ہوگا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ الفاظ نہ فرمائے ہوں کہ:

"لَا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہٗ" ـــــ (یعنی جس شخص میں امانتداری نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس میں ایفائے عہد کا مادّہ نہیں اس کا کوئی دین نہیں!) ـــــ یا وہ مشہور اور متّفق علیہ حدیث جس کی رُو سے آپؐ نے فرمایا: "وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ ـــــ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ ـــــ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ!" (خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں!) ـــــ پوچھا گیا: "من یا رسول اللّٰہ" (حضور کون؟) تو آپؐ نے فرمایا: "اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ!" (یعنی وہ کہ جس کی ایذا رسانیوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو!)

الغرض ـــــ ایمان جب یقینِ قلبی کی صورت اختیار کرتا ہے ـــــ تو اس کا پہلا

نتیجہ نکلتا ہے عمل کی درستی اور انسانی شخصیت کی تزئین و آرائش عاداتِ حسنہ، اور اخلاقِ فاضلہ سے، اور اس کے بعد شروع ہوتا ہے عالمِ خارجی میں جہاد یا مجاہدہ فی سبیل اللہ کا سلسلہ۔

اس جہاد فی سبیل اللہ کا اوّلین قدم وہ ہے جسے سورۃ العصر میں تعبیر فرمایا گیا "تواصی بالحق" اور "تواصی بالصّبر" سے یا سورۂ بلد میں بیان کیا گیا "تواصی بالصّبر" اور "تواصی بالمرحمہ" کے الفاظ سے، یا متعدّد مقامات پر بیان کیا گیا "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کی اصطلاحات کے حوالے سے یا کہیں تعبیر فرمایا گیا "دعوت الی الخیر" یا "دعوت اِلَی اللہ" کے الفاظ سے ــــ اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین کے نور کو جیسے ہی انسانی شخصیت میں تمکّن و قرار حاصل ہو جاتا ہے اس کا ظہور آپ سے آپ خارج میں بھی شروع ہو جاتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی مادّی چیز جب خود گرم ہو جائے تو اس سے حرارت خود بخود ماحول میں سرایت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اور پھر جیسے جیسے اس کی حرارت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، ماحول میں حرارت کا اثر و نفوذ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ البتہ اُس میں ایک اضافی شدّت پیدا ہوتی ہے ایمان بالرّسالت کے حوالے سے۔ یعنی یہ کہ برائی کے خلاف جہاد اور خیر اور بھلائی کی جانب دعوت تو عین انسانی فطرت کا بھی تقاضا ہے اور ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت سے اس میں مزید نکھار بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب کوئی نبی یا رسول مامور من اللہ ہو کر اس فریضے کو سرانجام دیتا ہے تو اس کا ہدف و مقصود یہ بن جاتا ہے کہ خلقِ خدا پر اتمامِ حُجّت ہو جائے اور لوگ محاسبۂ اُخروی کے وقت کوئی عذر پیش نہ کر سکیں بفحوائے الفاظِ قرآنی:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط (سورۂ نساء آیت ۱۶۵)

(یعنی رسول بشارت دینے والے اور خبردار کر دینے والے بنا کر بھیجے گئے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی دلیل باقی نہ رہ جائے)

اسے اصطلاحِ قرآنی میں "شہادت علی النّاس" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کو اب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ختمِ نبوّت اور تکمیلِ رسالت کے بعد اُمّتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود قرار دیا گیا ہے ــــ بفحوائے الفاظِ قرآنی: (البقرہ: ۱۴۳)

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ؕ	(یعنی) اسی طرح ہم نے بنایا ہے تمہیں درمیانی اُمّت تاکہ تم بن جاؤ گواہ پوری نوعِ انسانی پر ــــ اور رسول بن جائیں گواہ تم پر!

اور اسی کے لئے سعی وجُہد اور جہاد و مجاہدہ کے لئے للکارا گیا ہے مسلمانوں کو سورۂ حج کی اس آخری آیت میں جس کے آغاز میں فرمایا :

وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجۡتَبٰكُمۡ	اور جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں (اس مقصد کے لئے) منتخب کر لیا ہے۔

اور آخر میں اس کا ہدف و مقصود معیّن کر دیا گیا ان الفاظ میں کہ : لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ "تاکہ بن جائیں رسولؐ گواہ تم پر۔ اور بن جاؤ تم گواہ پوری نوعِ انسانی پر!" ــــ اور اس پر بھی اکتفا نہیں۔ اس جہاد و مجاہدہ فی سبیل اللہ کا آخری ہدف اور مقصود ہے وہ جسے سورۂ مدّثر میں تعبیر فرمایا گیا : وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ کے حد درجہ مختصر لیکن نہایت جامعیّت اور فصاحت و بلاغت کے حامل الفاظ سے یعنی اللہ کی کبریائی کا اقرار و اعلان اور اس کا بالفعل قیام و نفاذ ــــ اور جو سورۂ صف، سورۂ فتح اور سورۂ توبہ میں بیان کیا گیا : "اظہار دین الحق علی الدّین کُلّہٖ !" کی جامع اصطلاح کے حوالے سے بفحوائے الفاظِ قرآنی : هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ؕ (یعنی وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ یعنی قرآن مجید اور دین حق یعنی اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی دے کر تاکہ غالب قائم کر دیں اسے پورے کے پورے نظامِ زندگی پر!)

اور یہ امر ظاہر ہے کہ ایک عظیم انقلاب کا متقاضی ہے ــــ جس کے لئے ایک بھرپور انقلابی جدّوجُہد ناگزیر ہے۔ گویا ایمانِ حقیقی یا یقینِ قلبی کا لازمی نتیجہ ہے ایک عظیم انقلابی جدّوجُہد جس سے مقصود آخرت میں جہنّم سے نجات اور رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ اور جس کا ہدف اس دُنیا میں وہ ہو جسے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تعبیر فرمایا : "لِتَكُوۡنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا !" ــــ کے الفاظ سے، یعنی تاکہ اللہ کا کلمہ ہی سربلند ہو۔ اور اس کے جھنڈے سے اُونچا کوئی جھنڈا نہ رہ جائے • •

تنظیم کا سالانہ اجتماع

اس کی ضرورت، اہمیت، اور افادیت

'میثاق' اور 'ندا' میں شائع شدہ بعض قیمتی تحریروں کے آئینے میں

(۱)

"تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع"

سولہویں سالانہ اجتماع کے موقع پر ہفت روزہ 'ندا' میں شائع شدہ ایک تحریر
مدیر 'ندا' اقتدار احمد کے قلم سے

تنظیم اسلامی کے چھوٹے سے قافلے کو اس کے سولہویں پڑاؤ پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے ہمارا جی بھی وہی کچھ کرنے کو چاہتا ہے جس کا کسی بھی بامقصد دینی تحریک اور اسلامی انقلابی جماعت کو اپنے سالانہ اجتماعات میں اہتمام کرنا چاہئے یعنی خدمتِ دین کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کی حمد و سپاس کے بعد خالص غیر جذباتی انداز میں اس بات کا جائزہ کہ اپنی منزل مقصود کی طرف پیش رفت اب کس مرحلے میں ہے، کہیں عزم سفر میں کوئی ضعف تو پیدا نہیں ہو گیا یا جلد از جلد منزلیں مارنے کی شعوری یا غیر شعوری لیکن بے تاب خواہش جادۂ مستقیم کو چھوڑ کر بل کھاتے چھوٹے راستوں کی تلاش میں بھٹکا تو نہیں لے گئی اور بالخصوص یہ کہ اب تک کے سفر میں کیا کھویا ہے، کیا پایا۔ زادِ راہ کا انتظام تسلی بخش بھی ہے اور نشاناتِ راہ گم تو نہیں ہو گئے۔ پرانے ہمراہیوں کا ذوق و شوق گردِ کارواں بن کر پیچھے تو نہیں رہ گیا اور بعد میں شامل ہونے والے نووارد کیا جذبے کی وہی حِدّت ساتھ لے کر آئے ہیں جو سب کے لئے مہمیز کا کام دے۔ لیکن اتنا بھرپور جائزہ لینا

اِن صفحات میں ممکن ہے نہ ہمارے بس کی بات ... ایاز قدرِ خودبشناس ... اور پھر یہ بھی تو ہے کہ جس کا کام اسے کو ساجھے۔ تنظیم کے ذمہ داروں کو اس موقع پر یہی کچھ تو کرتے ہم دیکھیں گے۔

یہ تنظیم جملہ دینی فرائض کی انجام دہی اور خاص طور پر اقامتِ دین یا اسلامی انقلاب کے لئے بیعتِ ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ اور سمع و طاعت فی المعروف پر مبنی ایک خالص دینی جماعت ہے اور اس میں شامل ہونے والوں کو حُبِّ عاجلہ سے دامن بچائے رکھ کر پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے مقصود و مطلوب کے لئے پتہ مار کر کام کرتے چلے جانا ہے جس کے دوران نقصانِ مایہ اور شماتتِ ہمسایہ دونوں سے بے نیازی کا حوصلہ بھی قائم ودائم رکھنا شرط لازم ہے - انقلاب بلکہ اسلامی انقلاب یا انقلابِ مصطفویؐ کا نام ان دِنوں ہر کس وناکس کی زبان پر ہے اور ہر تیسرا گروہ اس کے لئے کام کرنے کا دعوٰی رکھتا ہے - گویا شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا بچوں کا کھیل ہو گیا لیکن فی الحقیقت انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد- اِس زمانے میں اسلامی انقلاب کے لئے کام کرنے والوں کو سب سے پہلے تحقیر و تمسخر اور طنز و استہزا سے واسطہ پڑتا ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تنظیم اسلامی کی صفوں میں آکر کھڑے ہو جانے والوں کے ساتھ ہی خود ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا جا رہا ہے تو اطمینان سا محسوس ہوتا ہے کہ جا ایں جاست' یہ لوگ صحیح جگہ پہنچے اور ٹھیک راستے پر گامزن ہیں' چنانچہ ہم ان سے "تیز ترک و گامزن" تو ضرور کہیں گے' البتہ "منزلِ ما دُور نیست" کا اضافہ کر کے کسی فریب میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے۔

صادق و مصدوق محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور بالکل درست فرمایا کہ اسلام غریبوں میں سے اٹھا اور انہی میں لوٹ جائے گا اور ہمارے قاری غربت کے مفہوم سے خوب شناسا ہیں۔ اسلام تو ہے ہی انقلاب کا نام اور یہ جیسا اجنبی کبھی پہلے جہالت کی تاریکی میں تھا' اس سے کہیں زیادہ دورِ جدید کی اس روشنی میں ہے جس میں تکیہ نصرت و تائیدِ خداوندی پر نہیں ' مادی و سائل و اسباب پر ہے - اب تو دنیا میں کامیابی و ناکامی کے ماپ تول کے پیمانے بھی نئے ایجاد ہو گئے ہیں جن پر ہر غلط سلط حرکت کسی نہ کسی حد تک پوری اترتی ہے اور ہیچ ہے تو صرف وہ کوشش جو یوم التغابن میں یعنی

فیصلے کے اصل دن کام آنے والی ہو۔ گویا انقلاب کی منزل یہیں کہیں قریب نہیں' بہت دُور ہے اور اس تک رسائی آسان نہیں' جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہ وہ سرسوں ہرگز نہیں جو ہتھیلی پر جمائی جاسکے۔ انقلاب کا عمل نسلوں میں کہیں جا کر تکمیل کو پہنچتا ہے۔ پوری تاریخ انسانی میں یہ چشم کشا واقعہ صرف ایک بار ہوا کہ ایک ہی انسان نے اپنی مختصر سی دنیوی زندگی کے بھی محض تہائی حصے میں ایک ہمہ گیر و ہمہ جہت انقلاب کو جاں گسل آغاز سے لے کر بے مثال کامیابی کے آخری مرحلے تک پہنچا دیا۔ یہ منفرد اعزاز اللہ کے رسول' ہمارے رہنما محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا اور یہ ان کا عظیم معجزہ ہے۔ ان کے اتباع کا شرف حاصل کرنے والے تو اسلامی انقلاب کا عمل خلوص واخلاص کے ساتھ شروع کر کے یا اسے محض جاری رکھنے کی جدوجہد کرتے ہوئے ہی اپنے اللہ سے راضیۃً مرضیّہ جا ملیں تو ذٰلِکَ ھُوَ الفَوزُ العَظِیمُ۔

تنظیم اسلامی پر اور نام لے کر اس کے داعیٔ اول و امیر ڈاکٹر اسرار احمد پر بعض برخود غلط اور خود رو قسم کے انقلابی آوازہ کستے ہیں کہ یہ پچھلے سولہ سال سے اور وہ گزشتہ بیس پچیس برسوں سے انقلاب کا راگ الاپ رہے ہیں' نتیجہ کیا نکلا ... وہی ڈھاک کے تین پات۔ جی ہاں' وہ فرزانے ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ انقلاب کو جو معنی و مفہوم انہوں نے دے رکھا ہے اس کی میزان پر ان دیوانوں کی کوششیں بالکل بے وزن نہیں تو بس تولوں ماشوں میں ہیں۔ لیکن تنظیم اسلامی اور اس کے امیر نے کوئی دعویٰ بھی تو نہیں کیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک مشعل روشن کر کے اسے لے نکلنے اور چند پروانوں کو اس کے گرد جمع کر لینے میں کامیابی کو اپنے روز و شب کی محنت کا حاصل سمجھتے ہیں جو اگر روشن رہی تو اسے اٹھائے چلنے کے لئے "اور آئیں گے عُشّاق کے قافلے"۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ خدمت ہی بہت ہے اور ان شاء اللہ ان کے لئے بیش بہا توشۂ آخرت ثابت ہو گی کہ انہوں نے اسلامی انقلاب کے رخِ روشن پر پڑی گرد جھاڑ دی۔ جاننے کی خواہش رکھنے والے اب جانتے اور خوب پہچانتے ہیں کہ اسلامی انقلاب کا اصل مفہوم کیا ہے۔ پھر اس عمل کے مراحل اور ان کے لوازم کو دو اور دو چار کی طرح حسابی انداز میں بیان کیا' انقلاب برپا کرنے کے طریق کار کا ایک ایسا نقشہ بنا کر پیش کر دیا جو ایک عامی لیکن سلیم الفطرت مسلمان کے ذہن پر بھی بوجھ نہیں بنتا اور پھر ایک اسلامی انقلابی جماعت کے خدوخال کی

صاف وضاحت ہی نہ کی بلکہ انہی خطوط پر ایک تنظیم بنا اور چلا کر بھی دکھا دی ہے کہ دین کا کام کرنے والوں پر حجت تمام ہو جائے۔ انہوں نے سب سے بڑھ کر سعادت یہ کمائی ہے کہ یہ سب کچھ کتاب اللہ اور سیرتِ مطہرہ سے مستعار لیا۔ یہ پورا ڈھانچہ منہجِ انقلابِ نبویؐ پر کھڑا کیا گیا ہے جس کی نوک پلک سنوارنے کے لئے مواد اور خود نظمِ جماعت کی تشکیل میں بھی عملی اور ضروری تفصیلات مروّجہ تحریکوں اور جماعتوں سے نہیں بلکہ سلف صالحین کے عمل سے حاصل کی گئیں۔ رہنمائی کے حصول کی غرض سے مدار عقل پر تو رہا لیکن اسے تنہا نہیں چھوڑا گیا' شعوری طور پر نقل کے تابع رکھا گیا ہے۔ اور تو اور تنظیم اسلامی کا بنیادی لٹریچر اور عروۃ الوثقیٰ صرف اور صرف قرآن ہے جس کی کلید کے طور پر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اپنے اس لائحہ عمل' طریقہ کار اور تنظیمی حکمتِ عملی پر استقامت و مداومت کے ساتھ جگ ہنسائی کو بھی خندہ پیشانی سے قبول کر لینا وہ "عقبہ" یعنی مشکل گھاٹی ہے جسے عبور کر کے ڈاکٹر اسرار احمد نے گویا اسلامی انقلاب کی بنیاد رکھ دی اور ایک متعین منزل کی جانب تنظیم اسلامی کو گامزن کر دیا ہے۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ**

رہی تنظیم اسلامی تو وہ اپنی کم مائیگی' بے سروسامانی اور قلّتِ تعداد سے ہراساں نہ ہو۔ رفقائے تنظیم اسلامی کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جس مرحلے سے وہ گزر رہے ہیں' اس میں دروں بینی باہر تاک جھانک سے زیادہ ضروری ہے اور یہ بھی کہ اپنے اردگرد بھیڑ جمع کرنے کی بجائے انہیں خود جا کر دلوں کے ایک ایک دروازے پر دستک دینی ہے۔ میرِ کارواں نے انہیں جو رختِ سفر فراہم کر دیا ہے' اسے ایک امانت کی طرح سینے سے لگا کر وہ اسلامی انقلاب کی طرف پورے جوش و جذبے لیکن ہوش کے ساتھ رواں دواں رہیں تو انقلاب کی منزل ملے نہ ملے' رضائے الٰہی سے ضرور ہمکنار ہوں گے اور اس سے بڑی بھی کوئی کامیابی ہے؟۔ ان بے ربط کلمات کے ساتھ ہم "ندا" کی طرف سے سالانہ اجتماع کے شرکاء کو خوش آمدید کہتے ہیں اور دعا یہ ہے کہ ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

لیکن زنہار کہ اضطراب میں بھی اعتدال ملحوظ رہے ... **خیر الامور اوسطھا**... چلو اور سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو مگر چلتے ہوئے یہ بات کبھی فراموش نہ کی جائے کہ "راہ میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں"۔ ○○

سالانہ اجتماع : نظریاتی جماعتوں کے لئے ایک اہم سنگ میل

بارہویں سالانہ اجتماع کے موقع پر ماہنامہ "میثاق" کے "عرض احوال" سے ماخوذ

ماہ رواں کے پہلے ہفتے میں تنظیم اسلامی کے رفقاء ملک کے دور و نزدیک گوشوں اور بیرون ملک سے بھی اپنے بارہویں (۱۲) سالانہ اجتماع کے لئے لاہور میں جمع ہو رہے ہیں۔ سالانہ اجتماعات عام جماعتوں کے لئے چاہے کچھ بھی مفہوم رکھتے ہوں' نظریاتی جماعتوں بالخصوص تحریکوں کے لئے سنگ ہائے میل ہوتے ہیں۔ ان میں سال گزشتہ کی کارکردگی کا تنقیدی جائزہ لینا بھی مقصود ہوتا ہے اور آئندہ سال کے لئے اہداف کا تقرر بھی۔ پھر ساتھیوں کا باہم میل جول اس جذبۂ اخوت' تعلّقِ قلبی اور ذہنی ہم آہنگی کی افزائش کا باعث بنتا ہے جو انہیں ایک بنیانِ مرصوص بنانے کے لئے ضروری ہے اور انفرادی و اجتماعی ہر دو سطحوں پر ان مسائل کے علم سے آگہی میں اضافہ بھی ہوتا ہے جو راہِ حق کی اس مسافرت میں افراد اور اجتماعیت کو دورانِ سال پیش آئے جبکہ وہ حل نشاناتِ راہ کو واضح کرتے ہیں جو مقصد کی لگن نے انہیں بجھائے اور کارگر ثابت ہوئے۔

الحمدللہ' ثم الحمدللہ ہماری اجتماعیت کی بنیاد رضائے الٰہی کا حصول اور نجاتِ اخروی ہے' یہی ہمارا انفرادی اور اجتماعی ہدفِ اولین و آخرین بھی ہے۔ہم میں سے ہر شخص اسی منزل تک پہنچنے کی آرزو لے کر اس قافلے میں شریک ہوا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ ساتھی حصولِ مقصد میں اس کے ممّدومعاون ہوں گے۔ اس قافلے کا رخ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی جانب ہے۔ مقدار' تعداد' اسباب اور امکانات کی بھول بھلیّوں' حُبِّ عاجلہ کے سراب اور فریبِ خودنمائی کی کھائیوں سے بچتا بچاتا یہ چھوٹا سا قافلہ نہ صرف قدم بقدم آگے بڑھ رہا ہے بلکہ اس میں شامل ہوتے جانے والے اس نسبت سے .بفضلہٖ زیادہ ہیں جو ہماری شامتِ اعمال سے اس مردہ معاشرے میں زندگی کی واقعی حرارت رکھنے والوں کی پائی جاتی ہے۔ بایں ہمہ صد شکر کہ ہم زعمِ ہمچوما دیگرے نیست میں مبتلا نہیں۔ ہماری کمزوریاں صرف ربِّ علیم و خبیر پر ہی روشن نہیں خود ہمیں بھی بے چین رکھتی ہیں۔ اور کتنی مبارک ہے یہ بے چینی! اسی سے تو درماندگی کو مہمیز ملتی ہے' یہی کارواں کے ہر شریک کے لئے رختِ سفر ہے۔

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

تیسرا کبیرہ

جادو کرنا

زیرِ طبع کتاب "کبائر" کے باب دوم کی فصل ثالث

مؤلف: ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

جادو کیا ہے؟

جادو، عملیات، ٹونے، کالا علم اور گنڈے سب تقریباً تقریباً ایک ہی قبیل کے مختلف انداز اور الفاظ پر مشتمل کلام یا اعمال کا نام ہے۔ جادو کو عربی زبان میں "سحر" کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں:

"انتہائی لطیف اور خفیف انداز میں کسی پر اثر انداز ہونا اور اسے نفسیاتی طور پر متاثر کر کے اپنے مقصد کے مطابق استعمال کرنا۔"

جادو اصلاً انسان کی نفسیات پر اثر کرتا ہے اور نفسیات کا اثر انسان کے جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے ڈر جانا اصلاً نفسیاتی اثر ہے، لیکن ڈرنے کی وجہ سے جسم کا کانپنا نفسیاتی اثر کا جسم پر ظہور ہے۔ اسی نفسیاتی اثر کی وجہ سے انسان بسا اوقات بیمار ہو جاتا ہے۔ کہیں تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے خاص طور پر میاں بیوی کے درمیان۔ کبھی بھول چوک کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کسی اور الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان اثرات کی کتاب و سنت نے توثیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ○ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَىٰ[1] ○

---

[1] سورت طٰہٰ، آیت ۶۶-۶۷

یکایک اُن کی رسیاں اور اُن کی لاٹھیاں اُن کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گیا۔"

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا:

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ[1]

"انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کو مسحور کر دیا۔"

تعلقات پر اثر انداز ہونے کی تصدیق قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ[2]

"پھر یہ لوگ اُن سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبید بن اعصم نے جادو کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی قدر متاثر ہو گئے اور آپ کو بھی خیال کی حد تک دنیاوی امور میں پریشانی اور چوک ہونے لگی۔[3]

جادو کرنے والے کا حکم

جادو کرنے والا قرآن کریم کے واضح فتوے کے مطابق کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ

---

[1] سورت الاعراف، آیت ۱۱۶ [2] سورت البقرۃ، آیت ۱۰۲

[3] نوٹ: تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب الطب، باب السحر۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب السحر۔ مسند احمد، سنن النسائی اور مستدرک حاکم میں بھی واقعے کی تفصیلات موجود ہیں۔ آپ پر جادو کا اثر کس حد تک ہوا تھا۔ اور جادو کے اثر کی وجہ سے آپ سے کوئی ایسا کام تو نہیں ہوا جو منصب رسالت کے خلاف ہو؟ اور اس طرح کی دیگر تفصیلات ملاحظہ ہوں تفہیم القرآن ج ۶، ص ۵۵۲۔۵۷۰

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ
بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ قف
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝[1]

"اور لگے اُن چیزوں کی پیروی کرنے، جو شیاطین سلیمانؑ کی سلطنت کا نام لے کر پیش کیا کرتے تھے، حالانکہ سلیمانؑ نے کبھی کفر نہیں کیا، کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ پیچھے پڑے اُس چیز کے جو بابل میں دو فرشتوں، ہاروت و ماروت پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے تھے، تو پہلے صاف طور پر متنبہ کر دیا کرتے تھے کہ "دیکھو، ہم محض ایک آزمائش ہیں، تو کفر میں مبتلا نہ ہو۔" پھر بھی یہ لوگ اُن سے وہ چیز سیکھتے تھے، جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ ظاہر تھا کہ اذنِ الٰہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے مگر اس کے باوجود وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو خود ان کے لیے نفع بخش نہیں، بلکہ نقصان دہ تھی اور انہیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا، اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کتنی بُری متاع تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش انہیں معلوم ہوتا!"

اسی لیے امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک ہر جادوگر کافر ہے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ وضاحت کرتے ہیں کہ اگر اس کا کلام کفریہ اور شرکیہ ہو تو جادوگر کافر ہے ورنہ فاسق و فاجر قرار دیں گے، کافر نہیں۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا فتویٰ زیادہ صحیح اور برحق ہے، اس لیے کہ قرآن کریم نے بغیر کسی شرط یا تخصیص کے جادو کو کفر قرار دیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان جادو کا عمل کرتا ہے تو اسے کہا جائے گا کہ توبہ کرو اور ایمان کی تجدید کرو۔ بصورتِ دیگر اسے مرتد کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت

---

[1] سورت البقرۃ، آیت ۱۰۲

حفصہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس بات کے قائل ہیں کہ جادوگر کو قتل کر دیا جائے۔ تابعین میں سے حضرت جندب بن عبداللہ، جندب بن کعب، قیس بن سعد اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ بھی اسی فتوے کے قائل ہیں۔

اسی معنی کا ایک سرکاری فرمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے محض ایک سال قبل جاری کیا تھا مشہور اور انتہائی قابلِ اطمینان تابعی حضرت بَجَالہ بن عَبدہ رحمۃ اللہ علیہ جو امیر اہواز جزء بن معاویہ کے سیکرٹری تھے، بیان کرتے ہیں:

اَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِسَنَةٍ : اَنِ اقْتُلُوا كُلَّ سَاحِرٍ وَسَاحِرَةٍ فَقَتَلْنَا ثَلَاثَةَ سَوَاحِرَ[1]

"حضرت عمرؓ کی وفات سے ایک سال قبل اُن کا خط ہمیں پہنچا، انہوں نے حکم دیا: ہر جادوگر، اور جادوگرنی کو قتل کر دو۔ چنانچہ ہم نے تین جادوگرنیوں کو قتل کیا۔"

عہدِ صحابہؓ اور خلافتِ راشدہ کی اتنی واضح مثال اور دلیل کے بعد جادوگر کو قتل کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر تقریباً تمام ائمہ فقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر جادوگر کفریہ یا شرکیہ الفاظ کے ساتھ جادو کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں سورت البقرۃ آیت ۱۰۲ کی تفسیر کے ضمن میں پوری صراحت کے ساتھ امام مالک، امام احمد بن حنبل، ابوثور، اسحاق، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ (رحمہم اللہ) کا نام لیا ہے کہ ان سب ائمہ فقہ کے نزدیک جادوگر کی سزا قتل ہے۔ تو گویا پوری امت کا اس بات پر اجماع ثابت ہے کہ جادوگر کی سزا قتل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کو ہلاکت خیز گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا:

---

[1] مسند امام احمد، ج ۱، ص ۱۹۰، ۱۹۱۔ طبع دار صادر وحدیث ۱۶۵۷ طبع دار المعارف مصر۔ معروف محقق حدیث علامہ احمد شاکر نے سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ سنن ابی داؤد کتاب الخراج والامارۃ، باب اَخذ الجزیۃ من المجوس۔ سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی اَخذ الجزیۃ من المجوس۔ تحقیقِ مزید کے لیے ملاحظہ ہو: الکبائر للذہبی تخریج مشہور حسن طبع المنار۔ الاردن۔

اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ" قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا هُنَّ ؟
قَالَ: "الشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ ... [1]"

"سات ہلاکت خیز گناہوں سے دُور رہو" صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! وہ کون کون سے ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ اور جادو کرنا ... الخ"

جس طرح جادو کرنا ہلاکت خیز گناہ ہے، اسی طرح جادوگر کی باتوں پر یقین کرنا بھی انتہائی خطرناک گناہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ خَمْرٍ وَقَاطِعُ رَحِمٍ وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ [2]

"تین قسم کے آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ شراب پینے والا، قریبی رشتہ داروں سے قطعِ تعلق کرنے والا اور جادوگر کی باتوں پر یقین کرنے والا"

جادو کرنے والے کے ساتھ ساتھ جادو کرانے والا بھی دینی طور پر سخت خطرے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطُيِّرَ لَهُ، اَوْ تَكَهَّنَ اَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهُ [3]

"اُس آدمی سے ہمارا کوئی ناطہ اور تعلق نہیں جس نے بدشگونی کی یا کسی دوسرے سے بدشگونی کی فال نکلوائی، کہانت کی یا کہانت کروائی اور جس نے خود جادو کیا یا کسی دوسرے سے جادو کا عمل کروایا"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جادو کفر ہے۔ اسے کرنے والا کافر اور واجب القتل ہے۔ اس طرح جادو کروانے والا بھی بہت بڑا مجرم ہے۔

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ حدیث ہٰذا "شرکِ اکبر" کے بیان میں پورے الفاظ اور تخریج کے ساتھ گزر چکی ہے۔

[2] مسند امام احمد ج ۴، ص ۳۹۹۔ المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۴۶۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] المعجم الکبیر للطبرانی، بروایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ۔ المعجم الاوسط للطبرانی بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

رزق و مال (۲)
قرآن و حدیث کی روشنی میں

مولانا محمد طاسین
صدر مجلس علمی، کراچی

*

رزق و مال کی تقسیم میں فرق و تفاوت منشاءِ الٰہی کے مطابق ہے

چھٹی بات جو قرآن مجید کے مطالعے سے رزق و مال کے متعلق واشگاف ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کے درمیان رزق و مال کی کمی و بیشی کے لحاظ سے جو فرق و تفاوت ہے، کسی کے پاس رزق و مال کم اور کسی کے پاس زیادہ ہے، یہ منشاءِ الٰہی کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے۔ چونکہ اس کے ساتھ انسانی اجتماع و تمدن کی بہت سی مصلحتیں وابستہ ہیں جن کے بغیر انسانی اجتماع و معاشرہ نہ قائم رہ سکتا اور نہ ترقی کر سکتا ہے، لہٰذا اللہ ربّ العزت نے انسانوں کی بھلائی و بہتری کی خاطر بعض لوگوں کو رزق و مال کم اور بعض کو زیادہ دیا اور اس بارے میں بعض کو بعض پر فوقیت و برتری عطا فرمائی ہے، اور چونکہ رزق و مال میں انسانوں کے درمیان فرق و تفاوت معاشرۂ انسانی کے قیام و بقاء اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے ضروری اور منشاءِ الٰہی کے مطابق ہے لہٰذا اس بارے میں ایک مسلمان کا رویّہ تسلیم و رضا کا رویّہ ہونا چاہیے۔ اس کو بُرا سمجھنا اور مٹانے کی کوشش کرنا از رُوئے قرآن غلط و باطل ہے۔ اسی طرح اسلام کے معاشی نظام کی ایسی تعبیر جس میں مذکورہ فرق و تفاوت کی نفی ہو قرآن مجید کی رُو سے صحیح تعبیر نہ ہوگی۔ ذیل میں قرآن مجید کی کچھ وہ آیات ملاحظہ فرمائیے جن میں واضح طور پر یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو بعض پر رزق و مال میں برتری عطا فرمائی ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ہے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ (النحل:۷۱)

"اور اللہ ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت و برتری عطا فرمائی ہے۔" یعنی بعض کو بعض سے زیادہ رزق عطا فرمایا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا

(الزخرف:۳۲)

"ہم نے تقسیم کیا ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں اور اونچا کیا (اور بڑھایا) بعض کو بعض پر درجات میں تاکہ ان کے بعض دوسرے بعض سے کام (خدمت) لے سکیں۔"

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں متفرق طور پر ایسی آیات کی تعداد نو ہے جن میں رزق کی کشادگی اور تنگی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے۔ مثلاً سورۃ الرعد کی آیت (۲۶) ہے:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ

"اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے)۔"

سورۃ الاسراء کی آیت (۳۰) ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ

"بے شک تیرا ربّ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے)"

سورۃ الشوریٰ میں ارشادِ ربّ العزت ہے:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (آیت ۱۲)

"اسی کے لئے ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی وہ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا اور تنگ کرتا ہے۔"

بعض آیات میں یہ بھی ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب و بے شمار رزق دیتا ہے۔ مثلاً سورۂ آل عمران کی آیت ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ○

"بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔

بعض قرآنی آیات میں یہ بھی ہے کہ خود بندوں کی مصلحت کی بناء پر بعض کو رزق و مال کم اور بعض کو زیادہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشوریٰ میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرٌ بَصِیْرٌ○ (آیت ۲۷)

"اور اگر اللہ اپنے بعض بندوں کے لئے رزق کشادہ کردیتا تو وہ زمین میں بغاوت کر بیٹھتے اور مرتکبِ فساد ہوتے' لیکن وہ اندازے کے مطابق نازل کرتا اور دیتا ہے جو چاہتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان پر نگاہ رکھتا ہے"۔

اس آیت میں واضح بیان ہے کہ اگر بعض انسانوں کو زیادہ رزق و مال مل جائے تو ان کا دماغی توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور بغاوت و فساد بپا کر کے باقی لوگوں کے لئے موجبِ بدامنی و بے چینی بنتے ہیں۔ لہٰذا خود ان کو بے راہ روی سے بچانے اور اجتماعی امن و سکون قائم رکھنے کے لئے ان کو رزق و مال کم دیا گیا۔

اسی طرح ایک اور اجتماعی مصلحت جس کے تحت بعض لوگوں کو رزق و مال تھوڑا اور بعض کو زیادہ دیا گیا اور معیشت میں ان کے اندر اعلیٰ' متوسط اور ادنیٰ مختلف درجے قائم کئے گئے' قرآن مجید کے اپنے الفاظ کے مطابق "لِیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا" ہے' جس کا مفہوم و معنی یہ ہے کہ "تاکہ بعض انسان دوسرے بعض سے کام و خدمت لے سکیں۔" اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ یہ ایک امرِ واقعہ ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد پائدار امن و اطمینان کے ساتھ اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ دوسرے افراد کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھائے' کیونکہ کوئی فرد وہ تمام مادی اور معنوی اشیاء تنہا خود اپنے لئے پیدا نہیں کرسکتا جن کی اس کو پائدار امن و اطمینان کے ساتھ زندہ رہنے اور مدارجِ ارتقاء طے کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے' اور یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی خدمات سے صرف اُسی صورت میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جب افرادِ معاشرہ کے درمیان امورِ معیشت منقسم ہوں' کچھ زراعت

میں مشغول ہوں اور کچھ صنعت و حرفت میں ' کچھ تجارت میں مشغول ہوں اور کچھ تعلیم و تربیت اور سیاست و حکومت میں ' اور پھر ان امور میں بھی دماغی جسمانی صلاحیتوں اور علمی و عملی قوتوں کے لحاظ سے ان کے درمیان درجات کا اختلاف پایا جاتا ہو ' بعض کو بعض پر فوقیت و برتری حاصل ہو ' علم و ہنر میں ' قوت و طاقت میں ' مال و دولت میں اور جاہ و اقتدار میں ' اور یہ اس لئے کہ اگر معاشرے کے تمام افراد مذکورہ امور میں یکساں و برابر ہوں تو پھر ایک دوسرے سے کام لینے اور اس کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ' نہ ان کے مابین معاشرتی روابط قائم ہوتے ہیں اور نہ معاشرہ عمل میں آتا ہے۔ اور چونکہ کوئی فرد معاشرے کے بغیر صحیح طور پر اپنی طبعی عمر تک زندہ نہیں رہ سکتا اور امن و اطمینان کے ساتھ مدارجِ ارتقاء طے نہیں کرسکتا' لہٰذا اللہ ربّ العزت نے انسانوں کے درمیان امورِ معیشت کو تقسیم کر کے ان کے اندر ایسی درجہ بندی فرمائی ہے جو ان کے مابین معاشرتی تعلقات کا باعث بنتی اور معاشرے کے قیام کو وجود عمل میں لاتی ہے۔

قرآن کریم کی ایک اور آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو بعض پر مال و متاع ' علم و ہنر' طاقت و قوت اور جاہ و اقتدار میں جو فوقیت و برتری عطا فرمائی ہے وہ اس امتحان و آزمائش کے لئے ہے کہ وہ اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے اور کس طرح پیش آتے ہیں ' عزت و احترام کے ساتھ ان کی مدد کرتے اور ان کو سہارا دیتے ہیں یا ان کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ان سے نفرت کرتے اور ظالمانہ طریقہ سے پیش آتے اور انہیں ضرر و ایذا پہنچاتے ہیں ۔ پہلی صورت امتحان میں کامیابی کی اور دوسری صورت ناکامی و نامرادی کی ہے ۔ قرآن مجید کی وہ آیت سورۃ الانعام کی درج ذیل آیت ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَآئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتَاكُمْ (آیت ۱۶۵)

"اور (وہ اللہ) وہ ہے جس نے تمہیں زمینی اشیاء اور انواعِ مخلوقات میں تصرّف کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیتیں عطا فرمائیں اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں رفعت و فوقیت دی تاکہ وہ تمہیں آزمائے

اس میں جو اس نے تمہیں عطا کیا"۔
"مَا اٰتَاکُمْ" میں وہ تمام چیزیں آجاتی ہیں جو کسی کے پاس کم اور کسی کے پاس زیادہ ہوتی اور جن میں بعض کو بعض پر فوقیت و برتری حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً مال و دولت، علم و ہنر، طاقت و قوت، جاہ و اقتدار وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قدرتی فرق و اختلاف کو تسلیم کرے جو امورِ معیشت اور شیونِ زیست میں مختلف انسانوں کے درمیان پایا جاتا ہے اور جس کی بدولت ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت و برتری حاصل ہوتی ہے۔ اس فرق و اختلاف کو بُرا سمجھنا اور اسے مٹانے کے درپے ہونا بڑی غلطی اور گمراہی ہے، جس سے ایک مسلمان کو ضرور بچنا چاہیے!

معیارِ زندگی میں یکسانیت کی ضرورت

ساتویں بات جو مال کے متعلق مطالعۂ قرآن مجید سے علم میں آتی ہے وہ یہ کہ معاشرے کے جن افراد کے پاس فراوانی کے ساتھ زیادہ مال ہو وہ اس کے اظہار کے لئے رہن سہن وغیرہ کا کوئی ایسا فاخرانہ معیارِ زندگی اختیار نہ کریں جسے معاشرے کی عظیم اکثریت اختیار نہ کر سکتی ہو، بلکہ باوجود زیادتی و فراوانیٔ مال کے ان کا معیارِ زندگی بھی تقریباً ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ معاشرے کے دوسرے کثیر التعداد متوسط اور درمیانے طبقے کے افراد کا معیارِ زندگی ہے، گویا انہیں کوئی ایسا معیارِ زندگی نہیں اختیار کرنا چاہیے جو معاشرے کے عمومی معیارِ زندگی سے نمایاں طور پر مختلف اور ممتاز ہو اور جس سے توازن بگڑتا، ذہنوں میں انتشار پیدا ہوتا اور عام بے چینی ظہور میں آتی ہو۔

غور سے دیکھا جائے تو محض اس سے معاشرے میں کوئی فساد و بگاڑ پیدا نہیں ہوتا کہ بعض افراد کے پاس مال کم اور بعض کے پاس زیادہ ہے، بلکہ فساد و بگاڑ مال کی کمی و بیشی سے اس وقت رُونما ہوتا ہے جب زیادہ مال والے اعلیٰ و ممتاز معیارِ زندگی کے ذریعے اپنی مالداری کا مظاہرہ کرتے اور نادار اور کم مال والوں پر اپنی برتری و فوقیت جتلاتے اور ان کو متاثر و مرعوب کرتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں ایک طرف وہ زیادہ مال والے فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتے، خود کو اعلیٰ و برتر اور دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں اور

دوسری طرف وہ لوگ جو ان کی طرح کا معیارِ زندگی اختیار نہیں کرسکتے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کر حسد کی آگ میں جلنے لگتے ہیں جو بڑھتے بڑھتے عداوت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ اس اعلیٰ معیارِ زندگی تک پہنچنے کے لئے حرام و باطل طریقوں سے زیادہ مال حاصل کرنے پر مجبور ہوجاتے اور دوسروں کے لئے ضرر و نقصان کا باعث بنتے ہیں' جس سے فساد فی الارض کی کیفیت رونما ہوجاتی ہے۔ بنا بریں قرآن حکیم نے پہلی چیز یعنی افرادِ معاشرہ کے درمیان رزق و مال کی کمی و زیادتی کو تو جائز قرار دیا ہے کہ اس سے بہت سے اجتماعی مصالح کا تعلق ہے' لیکن دوسری چیز یعنی اعلیٰ معیارِ زندگی کے ذریعے فخریہ طور پر اپنی مالداری کے اظہار کو ناجائز ٹھہرایا ہے کہ اس سے بہت سے اجتماعی مفاسد ظہور میں آتے ہیں۔

مال کے متعلق قرآن مجید کی یہ ساتویں ہدایت جن قرآنی آیات سے ثابت اور ظاہر ہوتی ہے ان میں سے ایک تو وہ آیات ہیں جن میں مالی اِسراف کی ممانعت ہے اور دوسری خاص طور پر وہ آیات ہیں جن میں قارون کا قصہ اور اس کا انجامِ بد بیان ہوا ہے' جس نے بڑے کرّو فر اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ دوسروں کو ترسانے اور مرعوب کرنے کے لئے اپنی مالداری کا مظاہرہ کیا اور زمین میں دھنس جانے کے عذاب سے ہلاک ہوا۔ قرآن مجید کی سورۃ القصص میں قارون کا جو قصہ ہے وہ دراصل ایک ایسے شخص کا قصہ ہے جس نے خداداد علم سے بے حساب مال کمایا اور خزانوں کا مالک بنا' اس پر اِترانے لگا اور آپے سے باہر ہوگیا' قوم کے سمجھ دار لوگوں نے وعظ و نصیحت کی اور غلط روش سے روکا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ الٹا گھمنڈ بڑھتا اور عجز و غرور کا پارہ چڑھتا چلا گیا' تا آنکہ اس نے اپنی دولتمندی کا طمطراق اور شان و شوکت کے ساتھ ایک بڑا مظاہرہ کیا جس کا اس آیت میں تذکرہ ہے:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ۖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ٦
(القصص: ۷۹)

"پس نکلا وہ اپنی قوم پر اپنی زینت اور آرائش و زیبائش میں' اسے دیکھ کر دنیا چاہنے والوں نے کہا کہ کاش ہمارے پاس بھی ویسا ہی (مال و متاع) ہوتا

جیسا قارون کو دیا گیا' بلاشک وہ بڑے بھاگ و نصیب والا ہے"۔
اس کے نتیجہ میں اس پر خسف کا عذاب نازل ہوا یعنی یہ کہ وہ خود مع اپنے گھر اور مال ودولت کے زمین میں دھنس گیا۔ جس آیتِ قرآنی میں اس کا بیان ہے وہ یہ ہے:

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ (القصص:۸۱)

"پس دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں' پس نہ کوئی جماعت تھی جو اللہ کے بالمقابل اس کی مدد کرسکتی اور اسے بچا سکتی اور نہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو خود اپنی مدد کرسکتے ہیں"۔

چنانچہ عذاب میں مبتلا اس کے اس دردناک اور خوفناک منظر کو دیکھ کر وہ لوگ بھی پکار اٹھے جو کل اس کے مالی و دنیوی مقام و مرتبے کی تمنا کررہے تھے 'کہ افسوس ہم غلطی پر تھے' بے شک اللہ جس کے لئے چاہتا رزق کشادہ کرتا اور جس کے لئے چاہتا تنگ کرتا ہے۔ انسان کو اس پر اترانا نہ چاہیے اور عذابِ الٰہی سے ڈرتا رہے۔ اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا اور ہمیں بھی قارون کی طرح مال مل جاتا تو ہمارا بھی وہی حشر ہوتا جو قارون کا ہوا' یعنی خسف کے عذاب سے زمین میں دھنسادیئے جاتے اور واقعی ناشکرے لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے اور کامیاب نہیں ہوتے۔ یہ بات قرآن مجید کی اس آیت میں بیان ہوئی ہے:

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ○ (القصص:۸۲)

خلاصہ یہ کہ قارون کے اس قصّہ میں دراصل مال کے متعلق اس طرزِ عمل اور اس رویّے کی مذمت و ممانعت ہے جو قارون نے اختیار کیا' یعنی مال کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اور پھر ایک اعلیٰ معیارِ زیست اور مُسرفانہ طرزِ معیشت کے ذریعے اپنی مالداری کا مظاہرہ کرنا' جس سے معاشرے کا معاشی توازن بگڑے اور بے چینی ظہور میں آئے' جسے قرآن مجید نے "بَغْیُ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ" سے تعبیر کیا ہے۔ قارون سے کہا گیا کہ: وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ "اور تو زمین میں فساد کی روش مت اختیار کر"۔ قرآن مجید کی آیت

میں فسادِ فی الارض کو قتلِ ناحق جیسا سنگین جرم بتلایا گیا ہے، جس کی سزا موت ہے۔

بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی قرآنی آیات میں مسلمانوں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ مال و دولت کی کمی بیشی کے باوجود ان کے درمیان معیارِ زندگی اور مظاہرِ معیشت میں ممکنہ حد تک مساوات و برابری ہونی چاہیے۔ قرآن حکیم کے سامنے ایک آئیڈیل اور مثالی معاشرے کا جو تصور ہے اس کے لئے مظاہرِ معیشت اور معیارِ زندگی میں مساوات ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مدینہ منورہ کے اندر جو مسلم معاشرہ ظہور میں آیا اس میں اس قسم کی مساوات نمایاں طور پر موجود تھی۔ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس بمقابلہ بعض کے بہت زیادہ مال تھا لیکن رہن سہن اور بود و باش میں بڑی حد تک مساوات کا رنگ تھا۔ حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کے پاس عام صحابہؓ کرام کے مقابلہ میں بہت زیادہ مال تھا، لیکن معیارِ معیشت میں ان کے اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی خاص فرق نہ تھا، بلکہ آقاؤں اور غلاموں کے درمیان خوراک و پوشاک وغیرہ میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ باہر سے کوئی اجنبی آتا تو وہ غلاموں میں بیٹھے ہوئے حضرت عثمانؓ غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو پہچان نہ سکتا، یعنی معیارِ زندگی میں مساوات کی وجہ سے وہ جان نہ سکتا کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون؟ اور یہ اس لئے بھی کہ صحابہ کرامؓ کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد تھا کہ غلام تمہارے بھائی ہیں، جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ وغیرہ، حتیٰ کہ اس عہدِ میمون میں ایک سربراہِ حکومت امیر و خلیفہ کے معیارِ زندگی اور ایک عام شہری کے معیارِ زندگی میں کچھ فرق و امتیاز نہ تھا۔ خود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا معیارِ معیشت انتہائی سادہ تھا، آپ کی خوراک، پوشاک اور جائے رہائش معمولی سے معمولی اور سادہ سے سادہ تھی اور آپؐ کو مسلمانوں کے درمیان مظاہرِ معیشت میں مساوات اور سادگی بے حد پسند تھی۔ اس کے خلاف اگر کوئی چیز آپؐ کے سامنے آتی تو آپؐ اس پر ناراضگی و ناخوشی کا اظہار فرماتے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ مدینہ کے ایک صحابی نے اپنے مکان کے اوپر کمرہ بنا کر اسے دو منزلہ کر دیا اور اس سے اس میں ایک امتیازی شان پیدا ہو گئی جو مسلمانوں کے عام مکانوں کے خلاف تھی۔ وہاں سے کچھ صحابہؓ کے ساتھ

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گزر ہوا ' آپؐ نے اس امتیازی شان والے مکان کو دیکھا تو صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے ؟ جب صحابہؓ نے اس صحابیؓ کا نام لیا جس نے وہ مکان بنایا تھا تو آپؐ کے چہرۂ اقدس پر ناراضگی و ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے' لیکن زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ بعد میں حسبِ معمول جب وہ صحابیؓ آپؐ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ اُن کے سلام کا جواب دیا اور نہ ان کی طرف التفات فرمایا' جس پر انہیں تعجّب بھی ہوا اور رنج بھی ' پوچھنے پر بعض صحابہؓ نے ان کو بتلایا کہ اس کی وجہ وہ بالاخانہ ہے جو آپ نے اپنے مکان پر بنایا ' حضورؐ کا وہاں سے گزر ہوا اور دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے ' جب آپ کا نام لیا گیا تو سن کر آپؐ ناخوش ہوئے۔ اسی وجہ سے نہ آپ کے سلام کا جواب دیا اور نہ آپ کی طرف توجہ فرمائی۔ اس صحابیؓ کو جب یہ پتہ چلا تو انہوں نے جا کر مکان کے اوپر والے حصّہ کو گرا کر حسبِ سابق یک منزلہ کردیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب دوبارہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہاں سے گزر ہوا تو مکان کے اس اوپر والے امتیازی حصّہ کو نہ دیکھ کر ساتھ والے صحابہؓ سے پوچھا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ جب اس کے مالک صحابیؓ کو یہ علم ہوا کہ آپؐ کی ان سے ناراضگی کا سبب یہ اوپر والا بالا خانہ ہے تو اس نے فوراً اس کو گرادیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خوش ہوئے اور اس صحابیؓ کے حق میں دعا فرمائی۔ اس حدیثِ نبویؐ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ چیز پسند نہ تھی کہ مظاہرِ معیشت میں مسلمانوں کے درمیان تفاوت اور اونچ نیچ ہو بلکہ مساوات و برابری محبوب تھی۔ اس کا اظہار آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس قولی حدیث سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ جو صحیح البخاری میں بایں الفاظ ہے:

عن ابی موسی الاشعریؓ قال: قالَ النبیُّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم :انّ الاَشعَرِیّینَ اِذا اَرمَلُوا فِی الغَزوِ 'اَوَ قَلّ طعامُ عیالِهم بِالمَدینۃِ جَمَعُوا ماعندھم فی ثَوبٍ واحدٍ ثُمَّ اقتَسَمُوہ بَینَہُم فی اِناءٍ واحدٍ بِالسَّویۃ ' فَهُمَ مِنّی وَ اَنا مِنہُم (کتاب الشرکۃ)

"حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: اشعری قبیلہ کا یہ معمول اور وطیرہ تھا کہ جب جنگ کی حالت میں انہیں خوراک کی کمی کا سامنا ہوتا یا بحالتِ امن مدینہ میں قحط وغیرہ کی وجہ سے خوراک میں کمی محسوس کرتے تو ان کے پاس جتنا سامانِ خورد و نوش ہوتا ایک جگہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے اور پھر ایک پیمانے سے اپنے درمیان برابر برابر تقسیم کر لیتے، پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں"۔

اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ معیشت میں مساوات کی حالت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پسند اور محبوب تھی ورنہ آپ قبیلۂ اشعر کے لوگوں کی اس درجہ تعریف نہ فرماتے کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ اس میں ان کے طرزِ عمل کی انتہائی طور پر مدح و تعریف ہے جو معیشت میں مساوات کے متعلق ان کے اندر پایا جاتا تھا۔ نیز اس میں مسلمانوں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ وہ بھی ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کریں۔

غور سے دیکھا جائے تو اسلام کی یہ تعلیم کہ مسلمان معاشرے میں معیارِ زندگی اور مظاہرِ معیشت کے لحاظ سے جہاں تک ممکن ہو مساوات و برابری کی کیفیت ہونی چاہیے، اپنے دُور رس اثرات و نتائج کے اعتبار سے بڑی اہم اور نہایت ضروری تعلیم ہے۔ اس پر عمل کرنے سے بے شمار سماجی برائیوں اور معاشرتی بدعنوانیوں کا خود بخود سدِباب ہو جاتا اور عمومی امن و امان اور سکون و اطمینان کی فضاء وجود میں آتی ہے، لیکن افسوس کہ خود مسلمان اس اہم تعلیم کو بالکل فراموش کر چکے ہیں اور آج دنیا کے کسی مسلم ملک اور معاشرے میں اس پر عمل نہیں، بلکہ اس کی صریح خلاف ورزی ہے، جس کا نتیجہ وہ گوناگوں اور بے شمار سماجی اور معاشرتی برائیاں ہیں جو بدترین شکلوں سے اور پورے زور و شور سے نام نہاد مسلم معاشروں میں موجود ہیں، الامان الحفیظ!

رزق و مال موجبِ شرف و فضیلت نہیں

آٹھویں بات جو رزق و مال کے متعلق مطالعۂ قرآن مجید سے منکشف اور واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ رزق و مال اللہ کے نزدیک انسان کے لئے موجبِ شرف و فضیلت نہیں، یعنی

ایسا نہیں کہ جس مسلمان کے پاس مال زیادہ ہو وہ اللہ کے نزدیک زیادہ شرف و عزت والا ہو بمقابلہ اس مسلمان کے جس کے پاس مال کم ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ بالفاظِ دیگر ایسا نہیں کہ جس کے پاس زیادہ مال رزق ہو اس کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ اللہ اس سے راضی و خوش ہے اور جس کے پاس مال کم ہو یا بالکل نہ ہو اس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ اللہ اس سے ناراض و ناخوش ہے جبکہ وہ دونوں ایمان اور عملِ صالح میں برابر ہوں۔ یعنی کسی کے پاس مال کا ہونا نہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اس سے راضی و خوش ہے اور نہ مال کا نہ ہونا اس بات کی دلیل کہ اللہ اس سے ناراض و ناخوش ہے۔

قرآن مجید کی جن آیات سے اس آٹھویں بات کا اظہار ہوتا ہے ان میں سے ایک سورۂ سبا کی یہ آیت ہے:

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِىْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (آیت ۳۷)

"اور نہ تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیز ہیں جو تم کو ہمارے نزدیک کردے، مگر یہ کہ جو ایمان لایا اور اس نے صالح عمل کئے"۔

اس آیتِ مبارکہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اموال و اولاد انسان کے لئے تقربِ الٰہی کا ذریعہ و وسیلہ نہیں، تقربِ الٰہی کا وسیلہ و ذریعہ صرف ایمان اور عملِ صالح ہیں۔ اس سے یہ بھی خود بخود ثابت ہوجاتا ہے کہ مال انسان کے لئے موجبِ شرف و فضیلت نہیں ورنہ وہ ضرور تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنتا۔ سورۃ الکہف کی آیت میں یہ بیان ہے کہ مال و اولاد صرف دنیا کی زندگی کے لئے زیب و زینت ہیں جو ایک ناپائدار اور فانی زندگی ہے، اخروی زندگی کے اجر و ثواب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ کے نزدیک اخروی اجر و ثواب کا ذریعہ انسان کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں باقیات الصالحات ہیں۔ وہ آیت یہ ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ○ (آیت ۴۶)

"مال اور بیٹے صرف حیاتِ دنیوی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک بہتر ہیں ثواب کے لحاظ سے اور بہتر ہیں توقع کے لحاظ

ہے"۔

مطلب یہ کہ مال و اولاد نہ انسان کے لئے باعثِ شرف و فضیلت ہیں اور نہ موجبِ اجر و ثواب اور تقربِ الٰہی کا سبب۔ سورۃ الشعراء کی ایک آیت میں ہے کہ قیامت کے دن انسان کے لئے اس کے اموال و اولاد کچھ نفع مند و مفید ثابت نہ ہوں گے اور ان سے اسے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا۔ نفع و فائدہ جو بھی پہنچے گا قلبِ سلیم سے پہنچے گا جو ایمان اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہوگا۔ وہ آیت اس طرح ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ (آیت ۸۸، ۸۹)

"قیامت کے دن آدمی کو نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے کام آئیں گے مگر یہ کہ جو اللہ کے پاس قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہوگا (وہ اسے نفع دے گا)"۔

اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مال کا ہونا انسان کے لئے وجہِ شرف و فضیلت نہیں ورنہ وہ قیامت میں اس کے لئے ضرور نفع بخش ثابت ہوتا۔

سورۃ الحجرات کی آیت: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (بے شک تم میں زیادہ عزت و فضیلت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی و پرہیز گار ہے۔) بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ سوائے تقویٰ کے دوسری کوئی چیز اللہ کے نزدیک انسان کے لئے وجہِ کرامت و فضیلت نہیں، نہ مال و جاہ، نہ حُسن و جمال، نہ طاقت و قوت اور نہ اولاد و اقارب وغیرہ۔

اللہ کے ہاں کسی بندے کی جو قدر و قیمت قائم ہوتی وہ قلبی ایمان اور اعمالِ صالحہ کی بناء پر ہوتی ہے، اس کی ظاہری شکل و صورت اور دولت و ثروت کی بناء پر نہیں ہوتی۔ بعض احادیثِ نبویہ میں اس کا واضح بیان ہے، مثلاً صحیح المسلم وغیرہ کی حدیث ہے:

عن ابی هريرة رضی اللّٰهُ عنه اَنّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللّٰه عليه وسلّم قال: اِنّ اللّٰهَ لا يَنظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِن يَّنظُرُ اِلٰی قُلُوبِكُمْ وَ اَعْمَالِكُم

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو (نگاہِ قدر سے) نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں پر نظر رکھتا ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں جو سنن ابن ماجہ اور جامع الترمذی میں ہے دنیوی مال کی اللہ کے نزدیک کی بے وقعتی اور بے قدری کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: قال رسولُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہِ علیہ وسلّم: لَوْ کانتِ الدُّنیا تَعدِلُ عندَ اللّٰہ جَنَاحَ بَعُوضَۃٍ ماسَقٰی کَافِرًا مِنْھا شربۃَ ماءٍ

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیوی مال کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔"

اسی طرح کی ایک اور حدیث مسند احمد وغیرہ میں بایں الفاظ ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مَرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بِشاۃٍ میتۃٍ قَدْ اَلقاھا اَھلُھا فقال: وَالّذی نَفسی بِیَدِہ لَلدُّنیا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہ مِنْ ھٰذِہٖ عَلٰی اَھلِھا

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے جسے اس کے مالکوں نے باہر پھینک دیا تھا۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے 'مالِ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ گھٹیا و بے وقعت ہے جتنی یہ مردار بکری اس کے مالکوں کے نزدیک"۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث کی بکثرت نصوص سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دنیوی مال انسان کے لئے نہ وجہِ شرف ہے اور نہ اس بات کی علامت کہ اللہ مالدار سے راضی و خوش اور مفلس و نادار سے ناراض و خفا ہے 'کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مومن و فرمانبردار بندے مالدار 'اور کافر و نافرمان لوگ مفلس و نادار ہوتے ' حالانکہ عموماً حقیقتِ حال اس کے برعکس رہی اور اللہ کے نیک و صالح بندے حتّٰی کہ انبیا علیہم السلام عموماً دنیوی مال و متاع سے تہی دست اور مفلس رہے اور کافر و مشرک اور فاسق و فاجر نہایت کثرت و فراوانی کے ساتھ مال و متاع کے مالک رہے۔ سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم کی حیاتِ طیبہ کو دیکھئے جو مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے' نہایت سادہ' معمولی اور فقر و فاقہ کی زندگی تھی۔ کوئی مال آپ نے اپنے لئے جمع نہیں رکھا' بلکہ دنیوی مال سے زہد و بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم وادی بطحا کو آپ کے لئے سونے کا بنا دیں تو اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: مجھے نہیں چاہیے' میں تو چاہتا ہوں کہ میری زندگی ایسی ہو کہ ایک دن کھانا ملے اور دوسرے دن نہ ملے اور فاقہ ہو' جب ملے تو شکر ادا کروں اور نہ ملے تو صبر سے کام لوں۔ گویا ناداری اور فقر و فاقہ کی حالت آپ کی اختیاری تھی اضطراری نہ تھی۔ بعض احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپؐ اللہ سے ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِی مِسْکِیْنًا وَ اَمِتْنِی مِسْکِیْنًا وَ احْشُرْنِی فِی زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: "اے اللہ مجھے مسکینی میں زندہ رکھ' مسکینی میں موت دے اور قیامت کے دن میرا حشر مسکینوں کے ساتھ کرنا"۔ نتیجہ یہ کہ اگر مالدار ہونا مومن کے لئے موجبِ شرف اور ذریعۂ تقربِ الٰہی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی تمنا فرماتے اور کبھی اس کی مذمت نہ کرتے۔

لیکن چونکہ مالدار ہونا ہر کافر کے لئے لازمی اور نادار ہونا ہر مومن کے لئے ضروری نہیں' لہٰذا بعض کافر نادار اور بعض مومن مالدار ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ اگر ہر کافر و مشرک اور ہر فاسق و فاجر کے پاس مال کا ہونا لازمی و ضروری ہوتا تو لوگ مال کی خاطر ایمان کی بجائے کفر کی اور نیکی و تقوٰے کی بجائے فسق و فجور کی روش اختیار کر لیتے اور اس کے نتیجہ میں دنیا کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا جو ایمان اور نیکی و تقوٰے کی بنا پر قائم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسی حقیقت کو سورۃ الزخرف کی ان آیات میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ○ وَلِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْھَا یَتَّکِئُوْنَ ○وَزُخْرُفًا وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ○ (آیات: ۳۳-۳۵)

"اگر یہ چیز سامنے نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی امتِ (کافرہ) بن جائیں گے تو ہم رحمٰن (یعنی اللہ) کا انکار کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں' چاندی کی اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں سونے کے کر دیتے' اور یہ سب کچھ نہیں ہے مگر حیاتِ دنیا کی متاع' اور آخرت تیرے ربّ کے نزدیک متقی لوگوں کے لئے ہے"۔

اس آیت سے یہ مطلب پیدا ہوتا ہے کہ دنیوی مال سونے چاندی وغیرہ کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و منزلت اور کوئی وقعت و اہمیت نہیں' ورنہ وہ کافروں کو ہرگز نہ دیتا جو اس کے نزدیک برے و بدترین لوگ اور مستحقِ عذابِ جہنم ہیں۔

بہرحال آٹھویں بات کے ثبوت میں اوپر جو آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں مسلمانوں کے لئے یہ تعلیم اور ہدایت ہے کہ وہ دنیوی مال و دولت کو کسی کے لئے باعثِ شرف و فضیلت نہ سمجھیں اور مال و دولت کی بنا پر ایک انسان کو دوسرے انسان اور ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ترجیح و فوقیت نہ دیں اور لائقِ تعظیم و تکریم نہ گردانیں۔ لیکن افسوس کہ دوسری بہت سی اسلامی تعلیمات کی طرح اس تعلیم پر بھی مسلمانوں کا آج نہ اعتقاد ہے اور نہ عمل۔ ہم عام طور پر دنیوی مال و دولت کو عزت و بڑائی کا ذریعہ سمجھتے اور نادار و مفلس نیک و صالح مسلمانوں کے مقابلہ میں ان فُساق و فجار مسلمانوں کو بہتر سمجھتے اور ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ مال و جاہ رکھتے ہیں' اور پھر نہ صرف یہ کہ جاہل عوام اس برائی میں مبتلا ہیں' بلکہ علماء و مشائخ تک کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے معتقدین و مریدین میں سے مالداروں کی طرف خصوصی توجّہ دیتے' عزّت و احترام کے ساتھ پیش آتے اور معانقہ کر کے ساتھ بٹھاتے ہیں' جب کہ ان کے بالمقابل مسکینوں اور ناداروں سے اچھی طرح مصافحہ بھی نہیں کرتے' بے توجّہی کے ساتھ پیش آتے اور دُور بٹھاتے ہیں' خواہ وہ مالداروں کی بنسبت کتنے ہی صالح اور متّقی و پرہیز گار کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ علماء و مشائخ کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر عوام دھوکہ کھاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ واقعی مالدار ہونا بھی موجبِ شرف اور سببِ عزّت و تکریم ہے' لہٰذا وہ بغیر حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا لحاظ رکھے حصولِ مال کے پیچھے اندھا دھند پڑ جاتے ہیں

کیونکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ علماء و مشائخ بھی ایسے مالداروں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں جو صریح طور پر حرام و ناجائز طریقوں سے مال کماتے ہیں اور حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں کرتے' رِبوٰ تک کھاتے کھلاتے ہیں جس کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جس معاشرے میں شرف و عزت کا معیار دنیوی مال و متاع بن جائے اور حصولِ مال میں حلال و حرام اور حق و ناحق کی تمیز اٹھ جائے اس میں گوناگوں برائیوں کا ابھرنا ایک قدرتی امر ہے' جس کا نتیجہ تباہی و بربادی اور بد امنی و بے چینی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ حرام خوری کے ساتھ جو عبادت کی جائے نہ اللہ کے ہاں قبول ہوتی اور نہ عبادت کرنے والے کی سیرت پر کچھ اچھا اثر ڈالتی ہے' حالانکہ عبادت سے اصل مقصود بندۂ مومن کے دل و دماغ کی اصلاح کرنا اور اس کی سیرت کو سنوارنا ہے' تاکہ وہ دوسروں کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آئے اور اس کے وجود سے دنیا کو نفع پہنچے۔ لیکن حرام خوری عبادت کے اس مطلوب اثر کو زائل کر دیتی اور اس سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔

رزقِ حلال کی جدّوجہد دوسرے فرائض سے متصادم نہ ہونی چاہیے

نویں بات جو قرآنِ حکیم سے مال کے متعلق علم میں آتی ہے وہ یہ کہ جائز طریقوں سے حلال رزق و مال کمانے میں مسلمان کو اس امر کا پورا خیال اور لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس سے اس کے دوسرے فرائض متاثر نہ ہوں' یعنی معاشی جدّوجہد میں ایسا انہماک و استغراق نہ ہونا چاہئے جس سے دوسرے دینی و معاشرتی فرائض فوت ہو جائیں اور ان کی ادائیگی میں غفلت و کوتاہی واقع ہو۔

دراصل اسلامی نظامِ حیات کی منجملہ دوسری خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی ہمہ جہتی تعلیمات میں ایسا توازن ہے اور وہ باہم دگر اس طرح مربوط و ہم آہنگ ہیں جس طرح کسی کُل کے تمام اجزاء مقصدِ کُل کے تحت توازن کے ساتھ باہم دگر مربوط و ہم آہنگ ہوتے ہیں' حتیٰ کہ اگر ایک جزء بھی الگ ہو جائے تو مقصدِ کُل فوت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی نظامِ حیات' انسانی فوز و فلاح کے جس مقصد سے تعلق رکھتا ہے وہ صرف اس وقت بروئے کار آ سکتا ہے جب ان تمام ہدایات پر عمل ہو جو زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر بعض پر عمل ہو

اور بعض پر نہ ہو تو انسان کو وہ فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی جس کی خاطر اسلامی نظامِ حیات تجویز کیا گیا ہے' مثلاً ان ہدایات پر عمل ہو جو عبادات سے متعلق ہیں اور ان پر نہ ہو جو معاشرت و معیشت سے متعلق ہیں یا اس کے برعکس صورت ہو تو فلاح و کامیابی کا مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قرآن مجید کی اپنے ماننے والے مسلمانوں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض کا یکساں طور پر لحاظ رکھیں اور ہر فریضہ کو اپنے موقع و محل پر ادا کرنے کی پوری کوشش کریں' کسی ایک فریضہ کی ادائیگی دوسرے فریضہ کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے۔ قرآن مجید کی جن آیات سے یہ ہدایت سامنے آتی ہے ان میں سے ایک سورۃ الجمعہ کی یہ آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

"اے مسلمانو! جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کی یاد کے لئے مسجد کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت وغیرہ معاشی کاروبار چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ پھر جب نماز ادا ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق طلب و تلاش کرو"۔

سورۃ النّور میں نیک لوگوں کی ایک خصوصی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے ناشی مشاغل ان کو اپنے دینی مشاغل اور فرائض سے نہیں روکتے اور موجبِ غفلت بن بنتے۔ فرمایا:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ (آیت: ۳۷)

"وہ اللہ کے بندے ایسے ہیں جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ بیع و شراء اللہ کی یاد' قیامِ صلوٰۃ اور اداءِ زکوٰۃ سے"۔

مذکورہ دونوں آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منشائے الٰہی یہ ہے کہ مومن بندے اپنے دینی اور دنیوی دونوں قسم کے فرائض و واجبات کا یکساں خیال رکھیں اور دونوں کو

صحیح طور پر بجالائیں۔ اسی پر ان کی دنیوی اور اُخروی فلاح و کامیابی کا دارومدار ہے۔

رزق و مال دنیائے فانی کی متاع ہے

رزق و مال کے متعلق دسویں بات جو مطالعۂ قرآن سے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ رزق و مال جس حیاتِ دنیا کے لئے متاع و زینت ہیں وہ ناپائیدار' زوال پذیر' دھوکا و غرور اور لہو و لعب ہے' جب کہ اس کے مقابلہ میں آخرت پائدار' لافانی' ناقابلِ زوال اور ابدی ہے' لہٰذا ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت پر ہمیشہ نظر رکھے اور ان چیزوں کو ترجیح دے جن سے آخرت اچھی اور بہتر بن سکتی ہے' اور حیاتِ دنیا کی بہتری کے لئے ایسے امور و اسباب اختیار نہ کرے جن سے آخرت خراب و برباد ہو سکتی ہو۔ جن قرآنی آیات میں حیاتِ دنیا کو لہو و لعب سے تعبیر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (الانعام: ۳۲)

"اور نہیں ہے حیاتِ دنیا مگر لہو و لعب اور کھیل تماشہ' اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو متقی و پرہیز گار ہیں"۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (العنکبوت: ۶۴)

"اور یہ دنیا کی زندگی نہیں ہے مگر لہو و لعب اور کھیل تماشہ' اور آخرت کا گھر حقیقی زندگی کا گھر ہے"۔

اِعْلَمُوْآ اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (الحدید: ۲۰)

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا کی زندگی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لہولعب ہے' ظاہری زینت ہے' آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے بڑھ جانا ہے"۔

امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" میں "لھو و لعب" کی جو توضیح و تشریح تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ: "اَللَّهْوُ مایشغل الانسانَ عمّا

یمنیہ و یُھمّہ" (لہو وہ چیز ہے جس کی مشغولیت انسان کو اہم و ضروری کاموں سے روکتی اور غافل بناتی ہو۔) "ویُقالُ لَعِبَ فلانٌ اِذا کانَ فِعلُہ غیرَ قاصدٍ بہ مقصدًا صحیحًا"۔ (جب کسی شخص کا کام کسی صحیح مقصد پر مبنی نہ ہو اسے کہا جاتا ہے لعب فلان)۔ "تاج العروس" میں لکھا ہے کہ لاعب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو فضول و بے فائدہ کام کرتا ہے۔ قرآن حکیم کا حیٰوۃِ دنیا کو لہو و لعب سے تعبیر کرنا گویا اپنے ماننے والوں کو یہ سبق دینا ہے کہ وہ حیاتِ دنیا اور اس کے سروسامان کو مقصدی اہمیت نہ دیں اور اپنی تمامتر کوششیں اسی کی بہتری کے لئے وقف نہ کریں' بلکہ ہمیشہ آخرت کی خیرو بھلائی کو ملحوظ و مدِ نظر رکھیں۔ اسی طرح تقریباً پندرہ آیاتِ قرآنی میں حیاتِ دنیا اور اس کے اسباب و وسائل کو لفظِ متاع' مَتَاعٌ قلیلٌ اور مَتَاعُ الغرور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند آیات نقل کی جاتی ہیں:

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد:۲۶)

"اور نہیں ہے حیاتِ دنیا آخرت کے مقابلہ میں مگر متاع"

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران: ۱۸۵)

"اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان"۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَّالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی (النساء: ۷۷)

"کہہ دیجئے حیاتِ دنیا کا سروسامان نہایت قلیل و بے وقعت ہے اور آخرت بہت بہتر ہے ہر اس کے لئے جس نے تقویٰ اختیار کیا"۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ (التوبہ: ۳۸)

"پس نہیں ہے حیاتِ دنیا کی متاع بمقابلہ آخرت کے مگر بہت قلیل اور کم قیمت"۔

فَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَا عِنْدَاللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ○ (الشوریٰ: ۳۶)

"پس تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے حیاتِ دنیا کے فائدہ کے لئے ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے ربّ پر بھروسہ کئے رہے۔"

ائمۂ لغت نے "متاع" کے معنے لکھے ہیں: **المتاعُ مایستمتع بِہٖ الانسانُ فی حوائجہ** (متاع ہر وہ شے ہے جس سے انسان اپنی حاجات پوری کرتا اور فائدہ اٹھاتا ہے)۔ لہٰذا متاع کی تعریف میں وہ تمام مادی اشیاء آجاتی ہیں جو انسان کی کسی طبعی و جبلّی ضرورت و حاجت کے پورے ہونے میں مدد گار اور مفید بنتی ہیں اور جن سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور "الغرور" کے معنے لکھے ہیں: "**کُلّ ما یُغرّ الانسانَ مِن مالٍ وجاہٍ وشھوۃٍ وشیطانٍ**" (ہر وہ شے جو انسان کو فخر و غرور اور دھوکے و فریب میں مبتلا کرے، خواہ مال و جاہ ہو یا خواہشِ نفس اور شیطان)۔ تفسیر ابن کثیر میں **مَاالْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ** کی تفسیر میں لکھا ہے: "**تصغیر لِشانِ الدُّنیا وتحقیر لِاَمرِھا وَاِنّھا دنیۃ فانیۃ قلیلۃ زائلۃ**" (حیاتِ دنیا اور اس کے سامان کو متاع الغرور کہنا دراصل اس کی شان کو گھٹانا اور اس کی حیثیت کو حقیر بتلانا ہے اور یہ کہ وہ ایک گھٹیا، ناپائیدار، بے وقعت اور زوال پذیر چیز ہے۔)

دراصل قرآن مجید کی اس قسم کی آیات میں مسلمانوں کے لئے یہ ہدایت و تعلیم ہے کہ وہ دنیا کی چند روزہ ناپائیدار زندگی اور اس کے سباب و وسائل کو اپنا اصل مقصد اور منتہائے نظر نہ بنائیں، بلکہ آخرت کی دائمی و باقی رہنے والی ابدی زندگی پر ہمیشہ نگاہ و توجہ رکھیں اور اس کی بھلائی و بہتری اور فلاح و کامیابی کے لئے پوری کوشش کریں اور ہر معاملہ میں آخرت کو دنیا پر ترجیح و فوقیت دیں اور یہ سمجھیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، جو کچھ اس میں کیا جائے گا اس کا پھل آخرت میں ضرور ملے گا۔

خلاصۂ کلام

چونکہ یہ مضمون خاصا طویل ہو گیا ہے، لہٰذا آخر میں اس کا مختصر خلاصہ پیش کر دینا مناسب و مفید سمجھتا ہوں:

(ا) رزق پر چونکہ ہر جاندار اور ہر انسان کی حیات و بقاء اور نشوونما کا دارومدار ہے لہٰذا بکثرت قرآنی آیات سے منشاءِ الٰہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر جاندار اور ہر انسان کو رزق ضرور ملنا چاہیے، اور یہ کہ اللہ اور اس کی کتاب پر ایمان رکھنے والے ایسا معاشی

نظام قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز ہر انسان کے لئے رزق کا ضرور انتظام ہو اور کوئی اس سے محروم نہ رہے۔

(۲) رزق و مال فی نفسہٖ نہ تو انسان کے لئے کوئی بُری اور قابلِ نفرت چیز ہے اور نہ کوئی اچھی اور قابلِ محبت چیز' بلکہ وسیلۂ خیر ہونے کی وجہ سے اچھی اور ذریعۂ شر ہونے کی وجہ سے بُری چیز ہے۔ لہٰذا رزق و مال کے متعلق ایک مسلمان کا رویّہ نہ محض نفرت کا رویّہ ہونا چاہئے اور نہ محض محبت کا رویہ' بلکہ ان دونوں کے بین بین نفرت آمیز محبت اور محبت آمیز نفرت کا رویہ ہونا چاہئے' کیونکہ در اصل یہی رویہ ان معاشی تعلیمات پر عمل کرنے میں مُعین و مدد گار ثابت ہوتا ہے جو رزق و مال سے متعلق قرآن و حدیث میں ہیں اور جن کی تعمیل و پابندی مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

(۳) رزق و مال اپنے معنوی و صوری اثرات و نتائج کے لحاظ سے دو قسم کا ہے' ایک قسم حلال و طیّب اور دوسری قسم حرام و خبیث ہے۔ حلال و طیب وہ رزق و مال ہے جو جائز و مشروع طریقوں سے حاصل کیا گیا ہو اور انسانی جسم و دماغ کے لئے مفید و نفع بخش ہو' جبکہ حرام و خبیث رزق و مال وہ ہے جو ناجائز و ممنوع طریقوں سے حاصل کیا گیا ہو یا جو جسمانی و دماغی صحت کے لئے مضر اور اخلاق میں بگاڑ کا مُوجب بنتا ہو۔ اور یہ کہ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حلال و طیّب مال کو استعمال کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے اور حرام و خبیث رزق و مال سے اجتناب و پرہیز کرے' نہ اسے کھائے اور نہ اس سے کوئی دوسرا فائدہ اٹھائے۔

(۴) رزق و مال اگرچہ جائز طریقوں سے حاصل کیا گیا ہو اور حلال اور طیّب ہو' اس نیت سے اسے سمیٹ سمیٹ کر رکھنا اور راہِ خدا اور ضروری مصارف میں خرچ نہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مالدار بنے اور دوسرے پر اپنی مالی برتری جتلائے' اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور بُرا ہے۔ جب کہ ضرورت سے زائد مال کو مصارفِ خیر اور راہِ خدا میں خرچ کر دینا اللہ کے نزدیک انسان کے لئے بہتر و پسندیدہ ہے۔ لہٰذا مال و دولت کے متعلق ایک مسلمان کا رویہ اور طرزِ عمل جمع و ذخیرہ کرنے کا نہیں' بلکہ مصارفِ خیر اور رفاہِ عام میں خرچ کر دینے کا ہونا چاہئے!

(۵) جہاں تک اِنفاق فی سبیلِ اللہ کا تعلق ہے اس میں ایک بندہ مومن اپنا مال جتنا زیادہ

چاہے خرچ کر سکتا ہے بلکہ سارے کا سارا بھی، لیکن ذاتی مصارف میں انفاقِ مال کے متعلق یہ ہدایت ہے کہ وہ اس میں اعتدال و میانہ روی کی راہ اختیار کرے اور نہ اِسراف و تبذیر کرے جو افراط کی راہ ہے، نہ بُخل و تقتیر کرے جو تفریط کی راہ ہے۔

(۶) رزق و مال کی مقدار اور کمی بیشی کے لحاظ سے انسانوں کے درمیان جو فرق و اختلاف پایا جاتا ہے وہ بعض قدرتی اسباب کے تحت قدرتی اور ضروری ہے۔ یہ فرق و اختلاف خود اللہ رب العزت نے قائم فرمایا ہے، اس لئے کہ اس پر انسانوں کی بے شمار مصلحتوں و منفعتوں کا دارومدار ہے جو اللہ چاہتا ہے کہ پوری ہوں اور وجود میں آئیں، لہٰذا یہ اللہ کی منشا کے مطابق ہے۔ بنا بریں اس میں مسلمانوں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ کم مال والے زیادہ مال والوں سے حسد و بغض نہ کریں اور زیادہ مال والے دوسروں پر اپنی مالی برتری جتلانے کے لئے بھی اپنی مالداری اور دولتمندی کا مظاہرہ نہ کریں، بلکہ اپنے زیادہ مال کو راہِ خدا اور مصارفِ خیر میں خرچ کر کے اللہ کا تقرب اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل کریں۔

(۷) افرادِ معاشرہ کے درمیان معیارِ زندگی اور مظاہرِ معیشت میں زیادہ سے زیادہ مساوات و یکسانیت ہونی چاہئے۔ کسی فرد کو ایسا معیارِ معیشت نہیں اختیار کرنا چاہئے جسے معاشرے کی عظیم اکثریت اختیار نہ کر سکتی ہو اور جس سے عام لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق حسد و بغض کا جذبہ اور اپنی کہتری و محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہو اور معاشرے کا معاشی توازن بگڑتا ہو۔

(۸) رزق و مال کسی مسلمان کے لئے موجبِ شرف و فضیلت اور سببِ تقربِ الٰہی نہیں۔ یعنی جب دو مسلمان ایمان و عملِ صالح اور نیکی و تقویٰ میں برابر ہوں، لیکن ایک مفلس و نادار اور دوسرا غنی و مالدار ہو تو عند اللہ دوسرے کو پہلے پر یعنی غنی و مالدار کو مفلس و نادار پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، لہٰذا ایک غنی و مالدار مسلمان کو مفلس و نادار مسلمان کے مقابلہ میں بہتر اور زیادہ قابلِ عزت و احترام سمجھنا جائز و درست نہیں اور ایک قطعی گناہ ہے، جس سے مسلمانوں کو بچنا اور اجتناب کرنا چاہئے!

(۹) حلال رزق و مال کے لئے سعی و کوشش اور جدوجہد کرنا بلا شبہ ایک دینی فریضہ اور موجب اجر و ثواب نیک عمل ہے، لیکن اس فریضہ کی ادائیگی میں ایک مسلمان کے لئے

(باقی صفحہ ۶۱ پر)

قرآن حکیم اور لباس

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

عرب کے مشرکین حرم کعبہ کو اتنا مقدس سمجھتے تھے کہ اس میں داخل ہونے کے لئے خاندانِ قریش سے ان کے کپڑے مانگ کر پہنتے تھے اور ان کپڑوں کے ساتھ حرم میں داخل ہوتے تھے، کیونکہ ان کی نظر میں قریش خدمتِ کعبہ کے منصب دار ہونے کی وجہ سے اتنے ہی مقدس تھے جتنا مقدس کعبۃُ اللہ تھا۔ ظاہر ہے قریش کے پاس اتنے کپڑے کہاں سے آتے کہ وہ تمام عربوں کو مہیا کرتے ---- اس لئے تمام عرب مرد دن کے وقت اور ان کی عورتیں رات کے اندھیرے میں برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ شرمناک رواج اسلام نے منسوخ کیا اور قرآن کریم نے ہدایت کی کہ خدا کے گھر میں لباس پہن کر عبادت کرنی چاہیے۔ چنانچہ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○ (آیت:۲۶)

"اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے جمال کا سامان ہے۔ اور تقویٰ کا لباس بہترین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ○ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ (آیات ۳۱، ۳۲)

"اے اولادِ آدم! ہر عبادت (سجدہ) کے وقت زینت (لباس) اختیار کیا کرو اور کھاؤ اور پیو، اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک حد سے آگے بڑھنے

والے خدا کے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ اے نبیؐ! ان سے پوچھو کہ خدا کی عطا کردہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے کس نے حرام قرار دی ہے اور پاکیزہ روزی بھی؟ آپ کہدیں کہ یہ خداوندی انعامات قیامت میں صرف ایمان والوں کے لئے مخصوص ہوں گے (یعنی اس دنیا میں سب کے لئے ہیں)۔اسی طرح ہم اپنی باتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں، علم رکھنے والوں کے لئے"۔

حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا حصہ تھی، جس پر اولادِ اسماعیلؑ برابر قائم رہے، البتہ کچھ جاہلانہ رسمیں اس میں داخل کردی گئیں۔ ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ حج کے موقع پر اہلِ عرب عمدہ غذائیں ترک کردیا کرتے تھے اور معمولی غذاؤں پر گذارہ کرتے تھے۔ اس رسم کی بھی ان آیات میں تردید کی گئی۔

ریش و ریاش کیا ہے؟

قرآن کریم نے لباس کے لفظ کے ساتھ زینت، جمال اور ریش کے تین الفاظ اور بھی استعمال کئے ہیں --- زینت اور جمال کے معانی مشہور ہیں، ریش کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "الرِّیاشُ اللِّباس وَ العَیْش وَ النَّعِیم" --- زین ابن اسلم کہتے ہیں: "الرِّیشُ ما یتجمَّل بِہٖ ظاھراً" یعنی وہ کپڑے جن سے جسمانی جمال پیدا ہوتا ہے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: "اَللِّباسُ مِنَ الضّروریات وَ الرِّیش مِنَ التَّکمِلات" کہ ریش وہ کپڑے ہیں جن سے لباس مکمل ہوتا ہے۔ جیسے کُرتے کے اوپر صدری، شیروانی، کوٹ اور عبا وغیرہ۔ سورۃ النحل میں لباس کی نعمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (آیات ۵ تا ۸)

"اور اس (خدا) نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے۔ ان میں (یعنی ان کی کھال اور اُون میں) تمہارے لئے گرم کرنے والی پوشاک ہے، اور طرح

طرح کے فائدے ہیں اور ان میں بعض جانور ایسے ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو۔ اور تمہارے لئے وہ منظر کتنا پر رونق ہوتا ہے جب تم ان چوپاؤں کو شام کے وقت چَرا کر واپس لاتے ہو اور صبح کو چَرانے کے لئے لے جاتے ہو۔ اور یہ چوپائے تمہارے بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تک تم نہیں پہنچ سکتے مگر بڑی ہی جانکاہی اور جانفشانی کے ساتھ۔ بے شک تمہارا ربّ بڑا ہی شفقت کرنے والا اور بڑا ہی رحم والا ہے۔ اور اس نے تمہارے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ رونق اور زینت کا سامان ہیں۔ اور خدا تعالیٰ بہت سی چیزیں ایسی پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں"۔

"دِفْءٌ" ـــــ لغت میں گرمی پہنچانے والی چیزیں ہیں۔ ان میں گرم لباس، جو اُون اور چمڑے سے تیار ہوتا ہے اور گرمی پہنچانے والے جوتے اور موزے جو کھال سے بنائے جاتے ہیں، شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ "پوشش" (پوشاک) کیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب نے "جَڑاول" ترجمہ کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے "اسبابِ گرمی" صحیح لفظی ترجمہ کیا ہے۔ "جَڑاول" جاڑے سے بنایا گیا ہے۔ یہ پنجابی کا لفظ ہے جس کا مفہوم سردی سے بچانے کا سامان ہے۔ سورۃ النحل میں دوسری جگہ لباس کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ ؕ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ (آیت ۸۱)

"اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کا سایہ تمہارے لئے بنایا (تاکہ تم ان سایوں میں آرام کرو) اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہیں گرمی سے بچاتا ہے اور (آہنی لباس) جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ اپنی نعمتیں تم پر مکمل کر رہا ہے تاکہ تم اس کے سامنے جھک جاؤ"۔

"سِرْبَال" لغت میں مطلق لباس کو بھی کہتے ہیں اور خاص لباس "کُرتے" کو بھی،

سربال کہا جاتا ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے موقع کی مناسبت سے "کُرتا" ترجمہ کیا ہے' کیونکہ جنگ میں بچاؤ کے کام آنے والا لباس جنگی زرہ ہے جو کُرتے ہی جیسی ہوتی ہے۔

ستر پوشی اور خوشنمائی

قرآن کریم نے لباس کا مقصد ستر پوشی کے ساتھ خوشنمائی اور زینتِ جسمانی کو بھی بیان کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ لباس میں جسمانی زینت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اور اس زینت کا تعلق ہر قوم اور ہر ملک کی معاشرت کے ساتھ ہے۔ مثل مشہور ہے "کھایئے من بھاتا' پہنئے جگ بھاتا"۔ ستر پوشی اصل مقصدِ شرعی ہے اور اس کے بعد جمال و رونق انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اس لئے شریعت نے لباس کی کوئی شکل و صورت معین نہیں کی۔

لباس و غذا کے سلسلہ میں حلال و حرام کے اصولی حدود متعین کرنے کے بعد جزئیات اور تفصیلات میں جو آزادی شریعت نے دی ہے وہ حدیثِ ذیل سے سلب نہیں ہو سکتی' مشہور حدیث ہے: "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اسی قوم میں داخل ہوتا ہے۔ اسلاف میں امام ابن تیمیہؒ کا مسلک اس معاملہ میں بہت سخت معلوم ہوتا ہے۔ امام محترم کلچرل باتوں میں بھی اقوامِ غیر کے ساتھ مشابہت کو حرام قرار دیتے ہیں۔ امام صاحب کی رائے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آں محترم عرب کے لباس اور سماجی رسموں کو بھی اسلام میں داخل سمجھتے ہیں' حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک تشبہ و مشابہت سے مراد غیر مسلم قوموں کے دینی شعائر اور مذہبی امتیازات میں ان کی تقلید کرنا ہے۔

محدثین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں کو' جن کا تعلق کھانے پینے اور لباس سے ہے' سُنَنِ زوائد اور عادات کے زُمرہ میں شامل کیا ہے' جنکی پیروی ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے' اور ایک بین الاقوامی ملت کے لئے کلچرل اور رہن سہن کے معاملات میں اپنے اپنے معاشرتی آداب پر چلنے کی آزادی ضروری ہے۔ یورپ کا ایک مسلمان کوٹ پتلون چھوڑ کر عربی عبا اور عقال کیسے استعمال کر سکتا ہے؟ اور دیہات کا ایک بہاری اور بنگالی اپنے دھوتی کُرتے کا کلچر کیسے چھوڑ سکتا ہے؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہیئتِ صالحین اختیار کرنے میں برکت ہے—— سوال یہ ہے کہ کیا صالحین صرف ہندو پاکستان یا عرب ہی میں پائے جاتے ہیں، دنیا کے دوسرے خطے اس طبقہ سے بالکل خالی ہیں؟ موجودہ بین الاقوامی دور میں تشبہ اور مشابہت کا محدود اور غیر فطری مفہوم اختیار کرنا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔

ستر پوشی اور نماز

ستر پوشی ہر حالت میں فرض ہے اور نماز کے لئے شرطِ صحت ہے۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھٹنے داخل ستر ہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک ستر کے حصہ سے خارج ہیں۔ فطری طور پر مرد کا یہی وہ حصۂ جسم ہے جس کو مرد چھپائے رکھنا چاہتا ہے، بشرطیکہ سلیم الطبع ہو، بے شرم آدمی کی بات نہیں۔ عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے ہاتھ کی ہتھیلیوں، پیروں اور چہرے کے۔ ضرورت کے لئے انہی تین حصوں کو عورت اپنے محرموں کے سامنے کھولنے پر مجبور ہوتی ہے اور غیر محرم اور اجنبی لوگوں سے اپنے آپ کو مکمل طور پر چھپاتی ہے۔ یہ ایک سلیم الطبع عورت کی فطرت ہے۔ نماز کی حالت میں اگر ستر کا کوئی حصہ سر یا پیٹ وغیرہ کھل جائے تو نماز باطل ہوجاتی ہے اور نماز کے علاوہ ستر کھولنے سے عورت گناہ گار ہوتی ہے۔ مرد کے لئے صرف لباس کی زینت جائز ہے اور عورت کے لئے لباس کے علاوہ زیورات اور مہندی وغیرہ کی زینت بھی جائز ہے بلکہ ایک درجہ میں ضروری ہے۔

نماز میں پُورا لباس

مردوں کے لئے نماز و عبادت کی حالت میں پُورا لباس ضروری معلوم ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح کے مطابق فرض صرف ستر پوشی ہے، لیکن ہر شخص اپنے معاشرہ میں جس طرح باعزت شکل و صورت کے ساتھ جاتا ہے اسی طرح اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کی بارگاہ میں بھی حاضری دے۔

خدا کی بارگاہِ عالی میں ننگے سر، ننگے بازوؤں اور پھٹے پرانے کپڑوں میں حاضری دینا یہ بتاتا ہے کہ یہ شخص خدا کی محفل کو بے وقار محفل سمجھتا ہے۔ فقہاء نے اسی لئے ننگے سر اور ننگی کہنیوں سے نماز کو مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض لوگ جو اپنے سر پر رومال لپیٹ لیتے

ہیں یا مساجد میں رکھی ہوئی میلی کچیلی ٹوپیاں اپنے سر پر رکھ کر نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں' اسے ادب کے خلاف کہا گیا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی تہذیب

اسلامی تہذیب میں سر ڈھانکنا ادب ہے' یورپ کی قوموں میں عیسائی تہذیب کے اندر ننگے سر پیش ہونے میں بڑوں کا ادب ہے۔ یہودی مذہب میں عبادت کے وقت انسان نہ جوتیاں پہن سکتا ہے اور نہ موزے پہن سکتا ہے' کیونکہ ان کے خیال میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو وادی طُوٰی میں جوتیاں اتارنے کا حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ اس مقام میں جوتیاں پہننا ادب کے خلاف تھا۔ قرآن کریم نے بھی کہا ہے:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (طٰہٰ: ۱۲)

"(اے موسیٰ!) اپنی جوتیاں اتار لو' تم ایک بابرکت وادی میں ہو"۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت موسیٰؑ کے پیروں میں گدھے کی کچی کھال کی جوتیاں تھیں جو ناپاک ہوتی ہیں ـــــ البتہ بعض علماء کے نزدیک ادب و تعظیم کے طور پر یہ ہدایت کی گئی تھی۔ یہود نے ہر عبادت کے لئے اسے قانون بنا لیا ـــــ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ہدایت فرمائی:

خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ

"یہود کے خلاف کرو' وہ جوتیوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے"۔

علماء کے نزدیک یہ اجازت ہے' وجوبی حکم نہیں ہے۔ یعنی مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ ضرورت کے وقت جوتوں اور موزوں میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ضرورت کی صورت یہ ہے کہ گھاس اور میدان میں نماز ادا کرے اور جوتیاں گندی نہ ہوں تو جوتیوں کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ مسجد نبویؐ میں اپنی پاک صاف چپلوں میں نماز ادا کرتے تھے' کیونکہ مسجد نبوی میں کنکریوں کا فرش تھا جو پیروں میں چبھتی ہوں گی۔ نماز جنازہ کے موقعہ پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص جوتیاں پہن کر نماز پڑھے تو اس کی جوتیاں اتروادی جاتی ہیں' یہ غلط ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی جوتیاں پاک ہیں تو پھر اس کے لئے ایسا کرنا درست ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص مسجد کے فرش اور مسجد کی صفوں پر جوتیاں پہن کر آئے تو اس کا یہ فعل غرور و تکبّر کہلائے گا۔

اچھا لباس۔ لباس تشکر

اسلام نے غذا' لباس اور رہن سہن میں خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کے مطابق خوش حال زندگی گذارنے کی ممانعت نہیں کی' بلکہ اس کی ترغیب دی ہے۔ البتہ اعتدال اور میانہ روی ہر حال میں اسلام کا مقصود ہے اور اسراف و بے اعتدالی اور اظہارِ کبر و تعلّی مذموم و ناپسندیدہ ہے۔ حضرت ابو الاحوص اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ

اتیتُ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم و عَلَیّ ثوبٌ دُون' فقال لی: أ لکَ مال؟ قُلتُ: نعَم' قال: مِنْ اَیّ الْمَل؟ قُلتُ: مِنْ کُلِّ الْمَل قدْ اَعطانِی اللّٰہُ مِنَ الْاِبِلِ وَ الْبَقرِ وَ الْغنمِ وَ الْخَیلِ وَ الرَّقِیق' قال: فَاِذَا اٰتاکَ اللّٰہُ مالاً فَلْیُرَ اَثرُ نعمۃِ اللّٰہِ علیک و کرامتہٗ

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میرے جسم پر گھٹیا کپڑے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تیرے پاس پیسے نہیں ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں' میرے پاس ہر قسم کا مال ہے' چوپائے اور غلام وغیرہ۔ آپؐ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت سے نوازا ہے' تو خدا کی نعمت کا اثر تجھ پر ظاہر ہونا چاہیے اور خدا کی دی ہوئی عزت کا اثر سامنے آنا چاہیے"۔
(بحوالہ احمد)

ترمذی کی روایت یہ ہے

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّرٰی اَثرَ نعمتِہٖ علٰی عبدِہٖ

"اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے بندہ کے اوپر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو"۔

تہواروں پر خدا کی خوشی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید اور بقرعید کی سالانہ تقریبات کے موقع پر خداوندِ عالم کی رضا اور رحمت اپنے مؤمن بندوں پر نازل ہوتی ہے' کیونکہ خدا کے مومن بندے عیدین کی تقریبات میں حسبِ حیثیت عمدہ لباس پہنتے ہیں اور عمدہ کھانا کھاتے ہیں' اور آپس میں محبت کے ساتھ ہنستے بولتے ہیں۔

اِسراف اور بُخل' دونوں کی مذمّت

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لباس اور غذا میں اعتدال پسندی قائم رکھنے کے لئے یہ جامع ہدایت فرمائی:

کُلُوا وَاشرَبُوا وَتَصَدَّقُوا وَالبَسُوا مالَمْ یخالطاِسراف وَلامَخِیلَۃ

"کھاؤ' پیو اور صدقہ بھی کرو اور لباس پہنو' جب تک کہ فضول خرچی اور تکبر کا جذبہ پیدا نہ ہو"۔

فقرِ ولایت: صدقہ!

ایمان اگر درجۂ محبت تک پہنچ جائے تو ان اصحابِ توکّل مسلمانوں کے لئے حضورؐ کی یہ ہدایت ہے کہ پرانا لباس صدقہ کردیا جائے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَبِسَ ثَوبًا جدیدًا فقال اَلحَمدُلِلّٰہِ الّذِی کَسَانِی مَااُوَارِی بِہٖ عَوْرَتِی وَ اَتَجَمَّلُ بِہٖ فِی حَیٰوتِی' ثُمَّ عَمِدَاِلَی الثوبِ الّذِی اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِہٖ کَانَ فِی کنفِ اللّٰہِ وَفِی حِفْظِ اللّٰہِ وفِی سترِ اللّٰہ حَیًّا وَمیِّتًا

"جو شخص نئے کپڑے پہنے اور پھر یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے لباس عطا کیا جس کے ذریعہ میں اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں اور زندگی میں اس سے جمال و خوشنمائی حاصل کرتا ہوں --- پھروہ اس پرانے لباس کو راہِ خدا میں صدقہ کردے تووہ خدا کی حفاظت' پناہ اور اس کی امان میں رہتا ہے' زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی"۔

حضرت ابن عباسؓ نے اسی حدیث کی روشنی میں ہدایت کی ہے:

کُلْ ماشِئْتَ وَالْبَسْ ماشِئتَ مااَخْطَاَتکَ اثْنَتَانِ' سَرفٌ ومَخِیلَۃٌ

"جو چاہے کھا اور جو چاہے پہن (یعنی جائز اور مباح چیزوں میں سے) جب تک تجھے دو برائیاں گمراہ نہ کریں۔ ایک اِسراف' دوسری تکبّر و غرور"۔

پرانے کپڑے میں پیوند لگاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو خطاب کرکے فرمایا:

یا عائشۃ اِنْ اَرَدتِ اللحوقَ لی فَلْیَکْفِکِ مِنَ الدُّنیا کزادِ الرّاکِبِ وَاِیّاکِ وَ مُجالِسۃَ الْاَغنیاء ' وَلا تَسْتَخْلِقِی ثوبًا حتّٰی تُرَقِّعِیہ

"اے عائشہؓ! اگر تم آخرت میں میری رفاقت چاہتی ہو تو دنیا کے سامان میں صرف اتنے سامان پر قناعت کرو جتنے سامان پر ایک مسافر قناعت کرتا ہے۔ اے عائشہؓ! دولت مندوں کی صحبت سے دور رہو اور کسی کپڑے کو پرانا کرکے بے کار نہ کردیجو جب تک اس میں پیوند نہ لگالے"۔

عورت کے اندر دوسروں کی حرص کرنے کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے ' اس لئے حضرت عائشہؓ اور ان کے ذریعہ تمام عورتوں کو نصیحت فرمائی کہ مالداروں کی صحبت سے دُور رہو ' ورنہ تم ان جیسی عیش و عشرت کی حرص کرنے لگو گی۔

سادہ اور موٹا لباس: لباسِ فقر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سادہ اور موٹے لباس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے انتہائی مؤثر پیرایہ میں فرمایا:

اَلَا تَسْمَعُونَ ' الا تسمعون 'اِنّ البَذَاذَۃَ مِنَ الْاِیمانِ ' انّ البذاذۃَ مِن یمان (ابوامام)

"کیا تم سنتے ہو' کیا تم سنتے ہو' بے شک پرانا اور گھٹیا لباس ' ایمان کی علامت ہے۔" دو دفعہ فرمایا۔

اس ہدایت میں غرباء و مساکین کے لئے بشارت ہے جو غربت کی وجہ سے عمدہ لباس استعمال نہیں کرسکتے۔ یہ فضیلت اس لئے بیان فرمائی تاکہ غرباءِ امت خوش حال لوگوں کے عمدہ کپڑوں کو دیکھ کر حسرت و افسوس نہ کریں اور صبر و قناعت کے ساتھ رہیں۔ دراصل یہ فضیلت اسی صبر و قناعت کی ہے۔ اگر غریب اور نادار کے اندر شکوہ و شکایت اور حسد اور جلن پیدا ہوجائے تو وہ اس فضیلت سے محروم رہتا ہے۔

لباسِ تکبر و غرور

خوش حال لوگوں کے لئے اچھے لباس اور اچھے رہن سہن کی فضیلت اسی وقت ہے

جب ان کے دل میں یہ نیت ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کے احسان و انعام کا اظہار کر رہے ہیں اور اگر کسی مالدار کے اندر اس جذبۂ تشکر کی جگہ جذبۂ غرور پیدا ہو جائے تو وہ لباسِ فاخرہ اس کے لئے آخرت کی ذلت کا سامان بن جائے گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

مَنْ لَبِسَ ثوبَ شُهْرَةٍ فِی الدُّنیا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثوبَ مذلّةٍ یومَ القیٰمةِ (عن ابن عمرؓ)

"جو شخص دنیا میں غرور و تکبر کا لباس پہنتا ہے خدا تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا"۔

ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

مَنْ تَرَکَ لُبسَ ثوبِ جمالٍ وَ هُوَ یَقْدِرُ علیه تَوَاضُعًا کسهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الکرامة وَ مَنْ تَزَوَّجَ لِلّٰهِ تَوَّجَهُ اللّٰهُ تاجَ المُلک

"جو شخص خوشنما لباس خاکساری اور تواضع کی نیت سے چھوڑ دے باوجود قدرت کے تو خدا تعالیٰ اسے قیامت میں عزت کا لباس عطا کرے گا اور جو شخص خدا کے لئے شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں شاہی تاج پہنائے گا"۔

معلوم ہوا کہ ایک لباسِ تشکر ہے اور ایک لباسِ تکبر ہے۔ پہلا محمود ہے' دوسرا مذموم ہے۔ تیسرا لباسِ فقر ہے' جو ولایت ہے۔ خدا کے لئے شادی کرنے کا مطلب محدثین نے یہ لکھا ہے: **بِاَنْ یَنْزِلَ مِن درجةٍ لِیَتَزَوَّجَ مَنْ هِیَ اَدْنٰی مرتبةٍ مِنْه** ——— یعنی انسان اپنی حیثیت سے نیچے آکر اپنے سے کم مرتبہ عورت کے ساتھ شادی کرے۔

حضورؐ کے لباس میں' دونوں رنگ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر طبقہ کے لئے نمونہ ہے' آپؐ نے عام طور پر سادہ اور موٹا لباس استعمال فرمایا اور کبھی کبھی قیمتی لباس بھی زیبِ تن فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبردہؓ کو دو چادریں نکال کر دکھائیں اور فرمایا کہ انہی چادروں میں حضورؐ نے وصال فرمایا۔ ان چادروں کے بارے میں حدیث میں الفاظ ہیں: **کسَاءً مُلبَّدًا وإزارًا غلیظًا** (ایک پیوند لگی چادر اور ایک موٹا تہبند) حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ

حضورؐ کا وصال ان دو معمولی کپڑوں میں ہوا ہے۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ آپؐ نے زندگی بھر اسی قسم کے معمولی کپڑے استعمال فرمائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس حضورؐ کا ایک قیمتی جبہ تھا جو وہ لوگوں کو دکھاتی تھیں۔

اَخرَجتُ جُبّۃَ طیالسۃِ کسروانیۃ لھالبنۃ دیباجٍ و فرجیھا مکفوفین بالدیباج

"(اسماءؓ نے) ایک ایرانی جبہ نکالا جو طیالسان (ایران کا شہر) میں بنتا تھا اور اسے فارس کے بادشاہوں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا (کیونکہ بیش قیمت ہوتا تھا) اس کے گریبان میں ریشم کی گوٹ تھی اور دونوں چاکوں پر بھی ریشم کی گوٹ تھی"۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی بہن حضرت عائشہؓ سے یہ جبہ حاصل کیا تھا اور میں اسے پانی میں دھو کر اس کا غسالہ (دھوون) بطور تبرک کے لوگوں کو دیتی تھی اور ہم اس سے مریضوں کے لئے شفا حاصل کرتے۔ (فنحنُ نغسلُھا للمرضٰی نستشفی)

روایات میں آتا ہے کہ آپ نے سبز' سیاہ اور سرخ عنابی چادریں بھی استعمال فرمائیں' البتہ سفید لباس کو پسندیدہ قرار دیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ ایک دفعہ ایک قیمتی چادر زیبِ تن کر کے باہر تشریف لائے جسکی قیمت کا اندازہ ایک ہزار درہم تھا۔

بقیہ: رزق و مال

ضروری ہے کہ وہ اسے اس طرح ادا کرے کہ دوسرے فرائض کی ادائیگی میں کوئی خلل اور رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اپنے اپنے محل و موقع پر ہر فریضہ باقاعدگی کے ساتھ ادا ہو اور کوئی کسی کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔

(۱۰) بندۂ مؤمن کو ہمیشہ آخرت کی زندگی اور اس کی فوز و فلاح اور نجات و سعادت پر نگاہ رکھنی چاہئے۔ وہ دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی فلاح و کامیابی کو اصل مقصد نہ بنائے' بلکہ اسے اخروی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ و وسیلہ بنائے۔

اَللّٰھُمّ اَرِنَا الْحَقَّ حقًّا وَّارْزُقْنا اتِّبَاعَہ وَاَرِنَا الْباطِلَ باطِلًا وَّارْزُقْنا اجْتِنابَہ وَ وَفِّقْنا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

دعوت وتحریک

تحریک الاخوان المسلمون

۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۹ء تک

—— قاضی ظفرالحق ——

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

"اور لازماً ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور خوشخبری دے دیجئے ثابت قدموں کو۔ وہ لوگ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ یہی ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمت اور توجہ (کی جاتی) ہے۔ اور یہی لوگ راہ یاب ہیں"

الاخوان المسلمون کی تحریک اپنی تاریخ میں متعدد بار تعذیب و ابتلاء کے مراحل سے گزری اور ہر بار اس تحریک پر آنے والی آزمائش پچھلی آزمائش سے شدید تر ثابت ہوئی۔ یہ اِس دور کے معجزۂ ایمان اور صداقتِ اسلام کا روشن باب ہے کہ اللہ کو اپنا ربّ مان لینے والوں نے ایسی استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا کہ پہاڑوں کی سربلندی ان کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہوگئی۔

الاخوان المسلمون نے تعذیب و ابتلاء کی ہر بھٹی سے اپنے ایمان و اسلام کی سلامتی کے ساتھ نکل کر اور آزمائش میں تربیت اور فرصت میں دعوت بلکہ فرصت و آزمائش

دونوں گھڑیوں میں دعوت و تربیت کے کام کو زندہ رکھ کے اپنے آپ کو بارگاہِ ایزدی میں جس مقام کا مستحق بنا لیا ہے وہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ :

وَنُرِيدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝

"اور ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ احسان کریں ان پر جنہیں زمین میں دبایا گیا ہے اور ہم انہیں امام بنائیں اور انہیں ہم وارث کر دیں۔ اور ہم انہیں تمکنت عطا کریں زمین میں اور ہم دکھا دیں فرعون و ھامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ جس سے وہ بچنا چاہتے ہیں۔"

الاخوان المسلمون کی تحریک اب تک چار عشروں میں چار بار دورِ ابتلاء سے گزری ہے۔ اس طویل ترین دورِ آزمائش میں سب سے زیادہ کٹھن مرحلہ درمیان میں آیا جب جمال عبدالناصر نے اپنے سترہ سالہ دورِ اقتدار میں الاخوان کو ختم کرنے کی ہر تدبیر کر ڈالی' ہر حربہ آزمایا۔ زندانوں' عذاب خانوں' کال کوٹھڑیوں' دارو رسن اور فائرنگ اسکواڈ سمیت وہ سب کچھ جو اس کے بس میں تھا اس نے کیا مگر آفرین ہے اس دینِ متین کی شمع پر جس کا پروانہ جان نچھاور ہو جانے تک پوری ثابت قدمی سے اس کا طواف جاری رکھتا ہے اور کسی کے ہٹائے پیچھے نہیں ہٹتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہیں' ان کے قبلے بھی بدلتے رہے' کبھی برطانیہ کبھی امریکہ اور کبھی روس نے ان حکومتوں کی سرپرستی کی۔ اسرائیل کے ساتھ جنگ بھی رہی اور امن کا معاہدہ بھی ہوا۔ آپس میں ان حکومتوں کے حامی اور مخالف برابر لڑتے اور ایک دوسرے کو چت کرنے کے حربے استعمال کرتے رہے مگر اس سب کے باوجود الاخوان المسلمون کو کچلنے' انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے' دین کی دعوت سے روکنے اور بطورِ جماعت انہیں غیر قانونی قرار دیئے رکھنے پر سب کا اتفاقِ رائے اور اشتراکِ عمل قائم رہا۔ کیا یہ اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ کی حقانیت پر ایک دلیل اور اس کی صداقت کی روشن گواہی نہیں ہے؟

الاخوان المسلمون پر آنے والے مصائب و شدائد چاروں دفعہ مختلف اسباب و

وجوہات کی بناپر ٹوٹتے نظر آتے ہیں ۔ ظالم بھی مختلف لوگ تھے اور ان کے نشانے بھی جدا جدا ۔ مگر دراصل الاخوان کے مصائب کا ایک ہی سبب تھا اور وہ یہ کہ الاخوان اسلام پر سودے بازی کرنے اور اسلامی شریعت کے نفاذ کے مطالبہ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے ۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ اختلاف چنداں اہمیت کا حامل نہیں ہے چونکہ باطل ہر روپ میں باطل ہوتا ہے اور اہلِ حق ہر نام میں اہلِ حق ہوتے ہیں ۔ حق اور باطل کی یہ کشمکش ازل سے جاری ہے ۔ مختلف ملکوں میں مختلف زمانوں میں اسٹیج سجائی جاتی ہے ۔ کردار بدل جاتے ہیں، کام یکساں رہتا ہے ۔ تاہم پھر بھی ہم قارئین کی معلومات کے لئے اس سچّے ڈرامہ کے کرداروں ' اُن کے مقاصد اور کام کے اندازوں کی کچھ نہ کچھ تفصیل ضرور بیان کریں گے ۔

اِس صدی کی چوتھی دہائی کے آخری نصف اور پانچویں دہائی کے ابتدائی نصف تک دس سال کا عرصہ مصر میں الاخوان کی تاریخ کا سنہرا ترین دور ہے ۔ اس دوران الاخوان اپنی شہرت کی بلندیوں کو چُھو رہے تھے ۔ مصر سے باہر الاخوان کی شاخیں شام ' لبنان ' فلسطین اور سوڈان میں اسی زمانہ میں قائم ہوئیں ۔ یہی وہ دَور ہے جس میں مصر کے اندر کی اسلام دشمن اور مصر سے باہر کی صیہونی اور صلیبی قوتیں الاخوان سے خطرہ محسوس کرنے لگیں ۔ اُسی دَور میں سازشوں کے دام پر دام بچھائے گئے اور الاخوان کو ہر طرح کے جائز و ناجائز ہتھکنڈوں کا سامنا کرنا پڑا ۔

چار دشمن : ابتلاءِ اوّل کے اِس دَور میں جن چار کرداروں نے اپنا اپنا پارٹ ادا کیا ' ان کی الاخوان سے دشمنی کے اسباب اور اس جماعت سے خوف و نفرت کی وجوہات کو سمجھنا ضروری ہے ۔ یہ چار کردار ہیں قصرِ عابدین ' سیکولر سیاسی جماعتیں ' برطانیہ اور یہودی تنظیمیں ۔

قصرِ عابدین یعنی مصر کا شاہی محل شاہ فواد کے زمانہ سے سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا ۔ ۱۹۳۶ء میں جب فواد کا بیٹا فاروق تخت نشین ہوا تو اس محل کا مصری معاشرہ میں کردار متعیّن ہو چکا تھا جسے شاہ فاروق کے دور میں پوری یکسوئی سے نبھایا اور پختہ کیا گیا ۔ شاہ فاروق کی تعلیم و تربیت خالصتاً انگریزی ماحول میں اپنے طرز پر اور اپنے مخصوص مفادات کی تکمیل کی خاطر خود برطانیہ نے کی تھی ۔ اسلامی اقدار اور شریعتِ اسلامی کی تنفیذ کے

علمبرداروں کے ساتھ اس کا جو رویّہ ہو سکتا تھا وہ تو ظاہر ہے ہی ' اوپر سے ایک ٹولہ الاخوان کے خلاف اس کے کان بھرتا رہتا تھا۔

شاہ فاروق کی دشمنی کا ایک نجی سبب یہ بھی تھا کہ الاخوان ازروئے اسلام بادشاہت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مصر کے سابق صدر جناب انور السادات اپنی اور شیخ حسن البنا کی ایک ملاقات کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

> شیخ حسن البنا نے فرمایا : شاہ فاروق الاخوان کی دعوت سے شدید خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ اس کے کانوں تک یہ بات پہنچ چکی ہے کہ الاخوان کی دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ حکمران عوام کی مرضی اور بیعت سے مقرر ہونا چاہئے۔ موروثی بادشاہت کا اسلام میں کوئی تصوّر نہیں ..... چنانچہ شاہ سوچ رہا ہے کہ کس طرح الاخوان پر ہاتھ ڈالا جائے۔ (صفات مجہولہ۔ بحوالہ الاخوان المسلمون مصنفہ خلیل الحامدی)

ابتدائی آزمائش کے دوران دوسری بڑی قوت الاخوان کے خلاف سیکولر سیاسی پارٹیاں تھیں جن میں سے ہر ایک الاخوان کی دشمنی میں دوسری سے بڑھ کر تھی۔ اِن کی قیادت پر جدید تعلیمیافتہ طبقہ فائز تھا۔ اس طبقہ کی سوچ خالصتاً مادہ پرستانہ، مغربیت زدہ اور اسلام سے بغاوت کی حامل تھی۔ اِس کا مقصد مصر کو یورپ کے نمونے پر ڈھال دینا اور اس کا حصّہ بنا دینا تھا۔ جبکہ الاخوان کا مقصود اسلامی معاشرہ کا اِحیاء ' اسلامی شریعت کا نفاذ اور عالمِ عربی اور عالمِ اسلامی سے مصر کا مستحکم تعلّق قائم کرنا تھا۔ یہ سیاسی پارٹیاں ہی تھیں جن کی قیادت میں آزادئ نسواں ' قرآن و سنّت سے بے بہرہ اجتہاد اور اباحیت و لامذہبیت کے فتنے پروان چڑھ رہے تھے۔ اس طبقہ سے براہِ راست نظریاتی اور تہذیبی ٹکراؤ تو تھا ہی ' اس پر مستزاد یہ کہ جب ان پارٹیوں کی حکومتیں بنتیں تو اِن کی پالیسیاں ہدفِ تنقید بنتیں اور اس تنقید میں سب سے آگے الاخوان المسلمون کے اخبارات و رسائل ہوتے۔ اس بُعد المشرقین میں الاخوان کی دن بدن بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اور اضافہ ہو رہا تھا جو سیاسی پارٹیوں کے لئے ایک خوف بنتا جا رہا تھا۔

برطانیہ کی اخوان دشمنی کا سبب یہ بھی تھا کہ وہ مصر میں ان کی موجودگی کے شدید مخالف تھے اور اس سبب سے بھی وہ الاخوان کے جانی دشمن تھے کہ الاخوان المسلمون مصر میں تہذیبِ اسلامی کے تحفّظ و اِحیاء کی نہایت کامیاب کوششیں کر رہے تھے جس کا منطقی

نتیجہ مغربی تہذیب کی شکست تھا اور ایک ملک میں اگر یہ شکست انجام پا جاتی تو پھر ظاہر ہے کہ مغربی تہذیب کی شکست کا ایک سلسلہ چل نکلتا ۔ اس خطرہ کا احساس انگریزوں کو اس وقت بھی تھا اور آج بھی نہایت گہرا ادراک حاصل ہے۔

چوتھی اور آخری قوت اِس مشقِ ستم میں قضیۂ فلسطین میں الاخوان کے منصفانہ موقف کے سبب سے شامل ہوئی ۔ یہ ۱۹۳۶ء کے آس پاس کا عرصہ ہے جس میں الاخوان نے قضیۂ فلسطین میں براہِ راست حصّہ لیا اور اُن کے اِس عمل سے عالمی صیہونی تنظیم کے کان کھڑے ہوئے ۔ چنانچہ وہ تنظیم نہ صرف یہ کہ خود الاخوان المسلمون کے خلاف سرگرم ہوگئی بلکہ اس نے دنیا کی دیگر صلیبی اور استعماری قوتوں کو بھی اس سے چوکنا کرنا اور انہیں اُس کے خلاف کرنا شروع کر دیا۔

وفد پارٹی سے تصادم: آزادیٔ مصر کی جنگ وفد پارٹی کی قیادت میں لڑی گئی تھی ۔ اِس لئے ایک طرف تو وفد پارٹی ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت تھی دوسری طرف وفد پارٹی کے لیڈروں میں فطری طور پر انگریزوں اور شاہ سے آنکھیں ملا کر بات کرنے کی جرأت بھی تھی ۔ مصر کو برطانیہ نے ۱۹۲۲ء میں یکطرفہ طور پر آزاد کر دیا تھا مگر دفاع میں "معاہدۂ دوستی" ، غیر ملکیوں کے خصوصی تحفّظ کی ذمہ داری اور دیگر داخلی اور خارجی معاملات میں انگریزوں کی دخل اندازی کی بیڑیاں پھر بھی مصر کے پیروں میں پڑی ہوئی تھیں۔

مصر میں برطانیہ کی ریذیڈنسی بھی موجود تھی اور سوڈان کا معاملہ بھی متنازعہ تھا ۔ یہ معاملات وفد پارٹی اور اس کے راہنما سعد زغلول مصری مفادات میں طے کرانا چاہتے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں وفد پارٹی نے بہت اکثریت سے منتخب ہو کر حکومت بنائی اور ان معاملات میں مصر و برطانیہ کے تعلّقات نہایت کشیدہ ہوگئے ۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک مصری نے قاہرہ میں سوڈان کے انگریز گورنر جنرل سرلی اسٹیک کو گولی مار کے ہلاک کر دیا ۔ اس پر برطانیہ نے مصر کو اپنی فوجیں سوڈان سے نکال لینے پر مجبور کر دیا اور اس کی سوڈان کے انتظام میں شرکت ختم کر دی ۔ اس طرح مصر اور سوڈان کا برائے نام اتحاد بھی ختم ہوگیا اور سعد زغلول کو مستعفی ہونا پڑا ۔ ۱۹۲۷ء میں سعد کے انتقال کے بعد رفعت مصطفےٰ نحاس پاشا جو سعد زغلول کے دائیں بازو کی حیثیت رکھتے تھے وفد پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے ۔

جگہ جگہ بلوے ہونے لگے اور مصر کی کامل آزادی کی تحریک نحاس پاشا کی قیادت میں پروان چڑھنے لگی۔ بالآخر شاہ فواد کی آمریت اور برطانوی استعمار کو جھکنا پڑا۔ ۱۹۳۶ء میں برطانیہ سے نئے معاہدے ہوئے جن کے تحت سویز کے علاقہ کے سوا برطانیہ کی فوجیں مصر خالی کر گئیں۔ ریذیڈنسی کو سفارت خانہ میں بدل دیا گیا۔ انتخابات ہوئے اور وفد پارٹی نے حکومت بنائی مگر جلد ہی یہ حکومت بھی توڑ دی گئی کیونکہ برطانیہ اور شاہ دونوں کے لئے اِس پارٹی کی حکومت ایک مشکل تھی۔

وفد پارٹی جمہوریت پسند ہونے کے ناطے شاہ فاروق کے اختیارات کم کرنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے اس کے شاہ سے اختلافات چلتے رہتے تھے۔ وفد پارٹی برطانوی دباؤ اور شاہی استبداد کا بیک وقت مقابلہ کر رہی تھی اور ساتھ ہی ملک کی سب سے بڑی بلکہ تقریباً واحد سیاسی قوت بھی تھی اور یہی اس کے برسرِاقتدار آتے رہنے کا سبب بھی تھا چنانچہ اس کی قوت زیر کرنے کے لئے اس میں انتشار پیدا کرایا گیا اور پہلے تو اِس میں سے محمود سلیمی پاشا نے نکل کر حزب الاحرار الدستوری بنائی اور پھر احمد ماہر پاشا اور نقراشی پاشا نے حزب السعدیین کی بِناڈالی۔ اس طرح وفد کو ایک کونے میں دھکیلنے کی صورت بنی تو شاہ فاروق نے نحاس پاشا کو برطرف کر کے محمود فہمی نقراشی پاشا کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جس میں الاخوان المسلمون کا سورج نصف النہار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں الاخوان کی فلسطین کے مسئلہ پر تعارفی مہم اور امدادی رقوم کی ملک گیر پیمانہ پر وصولی سے انگریزی استعمار چوکنا ہوگیا اور اسے الاخوان کی صورت میں ایک نیا دشمن پیدا ہوتا نظر آنے لگا جو کہ نہ صرف انگریزوں کے مصر میں موجود ہونے کے خلاف تھا بلکہ مشرقِ وسطیٰ کے تمام معاملات میں انگریزی استعمار کی منصوبہ بندیوں اور مفادات کا بھی دشمن تھا۔

ان دو نئے اور پرانے دشمنوں (وفد اور الاخوان) سے نمٹنے کی حکمتِ عملی یہ وضع کی گئی کہ ان کا آپس میں تصادم کرا دیا جائے۔ اِس طرح الاخوان المسلمون کی مقبولیت کے بڑھتے ہوئے قدم بھی رُک جائیں گے، آپس کے تصادم سے دونوں پارٹیاں ایک دوسرے سے دُور ہو جائیں گی اور اس طرح کسی بھی مرحلہ پر ان کا باہمی اتفاق انگریزوں اور شاہ کے لئے دردِ سر نہیں بن سکے گا۔ اس کے علاوہ الاخوان پر ہاتھ ڈالنے کا بھی موقع

مل جائے گا۔ اس سازش پر عمدر آمد کے لئے فضا بھی نہایت سازگار تھی کیونکہ وفد پارٹی میں بار بار کی ٹوٹ پھوٹ سے پارٹی ورکرز کی بڑی تعداد مایوس ہو کر اُبھرتی ہوئی جماعت الاخوان المسلمون میں شامل ہوتی چلی جا رہی تھی جس سے وفد پارٹی میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ وفد پارٹی میں چھپے انگریزی استعمار کے غلام عمل میں آئے اور وفد پارٹی نے جگہ جگہ الاخوان المسلمون پر حملے شروع کر دیئے۔ منفلوط، دمنہور، قاہرہ، پورٹ سعید اور منصورہ میں خونریز تصادم ہوئے اور جگہ جگہ الاخوان پر مقدمات قائم کئے گئے۔ اسی دور میں الاخوان کے مرشدِ عام سوم عمر تلمسانی مرحوم نے شہرت پائی کیونکہ دل سے الاخوان کا دفاع کرنے والے وہی ایک وکیل تھے۔

۱۹۳۶ء میں وفد پارٹی نے گورنمنٹ بنائی اور نسیم پاشا وزیر اعظم بنے تو الاخوان کے بانی حسن البنا نے وفد کے راہنما مصطفٰے نحاس پاشا سے ملاقات کر کے انہیں اسلامی قوانین کے نفاذ کی ترغیب دی۔ ۱۹۳۸ء میں رفعت مصطفٰے نحاس پاشا کی حکومت بنی اور جنگِ عظیم کے شروع ہونے پر توڑ دی گئی۔ پھر علی ماہر پاشا اور حسین صبری کی حکومتیں بنیں جنہوں نے الاخوان کے بارے میں نرم پالیسی اختیار کی بلکہ علی ماہر نے جب مصر کے عالمگیر جنگ سے الگ رہنے کی قرارداد پیش کی تو الاخوان نے اس کی بھرپور حمایت کی مگر اس کے ساتھ ہی ان کو وزارتِ عظمٰی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ حسین سری پاشا کی حکومت برسر اقتدار آئی تو انہوں نے انگریزی سفارت خانہ کے دباؤ میں آکر الاخوان کے ہفت روزے اور ماہنامہ ضبط کر لئے، پریس بحق سرکار ضبط کر لیا، بہت سے اخوانی ملازمتوں سے برطرف کر دیئے، اجتماعات پر پابندی لگا دی اور سرکاری ملازمتوں میں موجود الاخوان کے سرکردہ لوگ تتر بتر کر دیئے۔ ۱۹۴۲ء میں رفعت مصطفٰے نحاس پاشا کی حکومت کے دنوں میں عام انتخابات ہوئے جن میں برطانیہ کی الاخوان سے دشمنی اور نفرت کا ایک واضح ثبوت سامنے آیا۔

خوفِ عدد: ہوا یہ کہ الاخوان نے اسکندریہ سے حسن البنا شہید کو کھڑا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کاغذاتِ نامزدگی داخل کرائے گئے تو حکومتی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور امام شہید پر یہ زور ڈالا جانے لگا کہ وہ کاغذات واپس لے لیں۔ جب حسن البنا نے انکار کر دیا تو وزیر اعظم رفعت مصطفٰے نحاس پاشا نے خود حسن البنا سے ملاقات کر کے انہیں صورتحال کی

نزاکت تفصیل سے بتائی۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ الیکشن لڑیں گے تو ملکی سلامتی اور جمہوری عمل کو سخت خطرہ درپیش ہو جائے گا کیونکہ انگریز آپ کے نظریات اور دعوت سے سخت ناراض ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ ان کا اتنا سخت ناقد ایک ایسے وقت میں جبکہ دنیا جنگ کی آگ میں گھری ہوئی ہے' پارلیمنٹ جیسے اعلیٰ ترین ادارہ میں پہنچے اور پھر اس کی تنقید کی گونج سارے عالمِ عربی بلکہ دنیا بھر میں سنائی دینے لگے۔ اس لئے اگر آپ الیکشن لڑے تو عین ممکن ہے کہ شاہ پر دباؤ ڈال کر انگریز یہ انتخابات رکوا دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصر کی عرب میں اہمیت کے پیشِ نظر برطانیہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جائے۔ چنانچہ صورتحال کی نزاکت کا ادراک حاصل کر کے حسن البنا پارلیمنٹ کے انتخاب سے دستبردار ہو گئے۔

۱۹۴۲ء میں رفعت مصطفےٰ نحاس پاشا کی گورنمنٹ بنی تو اس نے الاخوان پر سے کچھ عرصہ کے لئے پابندیاں اٹھا لیں۔ اس عرصہ میں الاخوان کی بیگناہی' برطانیہ دشمنی اور قضیۂ فلسطین میں ان کے موقف سے عوام الناس کی بہت بڑی تعداد متأثر ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک سیلاب کی صورت میں الاخوان کی طرف رُخ کیا۔ یہ دیکھ کر نحاس حکومت نے پھر الاخوان کو پابندِ سلاسل کر دیا۔ وہی پابندیاں پھر عائد کر دیں مگر مرکزی دفتر قاہرہ کو کام کرنے کی اجازت دے دی۔

مصر کی سب حکومتیں جنگِ عظیم میں مصر کی شمولیت کی مخالف تھیں جبکہ انگریزوں کی خواہش عملی تعاون کی تھی۔ یہی کشمکش چھ سالوں میں آٹھ بار وزارتیں بننے اور ٹوٹنے کا سبب تھی۔ بالآخر ۱۹۴۴ء میں وفد گورنمنٹ برطرف کر کے حزب السعدیین کے رہنما احمد ماہر پاشا برسرِ اقتدار لائے گئے تاکہ وہ اس خواہش کو پورا کریں۔ احمد ماہر پاشا نے اٹلی اور جرمنی کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا جس پر مصر کے قوم پرست اور اسلام پسند حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اس فیصلہ کے خلاف شدید ردِّعمل ابھرا اور العیسوی نامی ایک قوم پرست نے احمد ماہر کو گولی مار دی۔

اِس واقعہ کے پردے میں الاخوان المسلمون پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ محمود فہمی نقراشی پاشا نے جماعت کو پابند کیا اور لیڈر گرفتار کر لئے۔ ان پر احمد ماہر کے قتل کا مقدمہ چلایا گیا مگر عدالت نے انہیں بری قرار دے دیا۔ رہائی کے بعد شہید البنا نے

(باقی صفحہ ۷۳ پر)

افکار و آراء

آف دی ریکارڈ

—— میاں ساجد حمید ——

ہم اکثر اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ فلاں صاحب نے اپنے انٹرویو میں یہ کچھ کہا یا فلاں وزیر صاحب نے اپنی پریس کانفرنس میں ان نکات پر روشنی ڈالی اور بعد میں بہت سی باتیں آف دی ریکارڈ کہیں --- ایک روز اخبار میں ایک سیاستدان کا بیان پڑھا اور چونک گیا کہ جس میں انہوں نے گذشتہ روز چھپنے والی خبر کے حوالے سے فرمایا تھا کہ " یہ باتیں تو میں نے آف دی ریکارڈ کی تھیں" --- اور اس کے برعکس میں نے یونیورسٹی کے ایک استاد صاحب کا طرز عمل دیکھا کہ وہ کسی کے بارے میں انتہائی سخت الفاظ بھی استعمال کرجاتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ میرا کچھ بھی آف دی ریکارڈ نہیں ہے۔ میں سب کچھ آن دی ریکارڈ کہتا ہوں اور میری باتیں کسی کے سامنے بھی Quote کی جاسکتی ہیں --- اب ان دو بالکل متضاد باتوں کو دیکھا اور سوچا تو پہلا طرز عمل درست لگا اور پروفیسر صاحب کا طرز عمل غیر ذمہ دارانہ سا---

ایک روز یونیورسٹی میں پروفیسر صاحب سے ایک صاحب ملنے آئے تو موصوف نے حال احوال پوچھنے کے فوراً بعد کہا کہ "جناب میں نے آپ کے بارے میں یہ باتیں کہی تھیں اور میری یہ عادت ہے کہ میں جو بات کسی کے بارے میں یا خلاف کہتا ہوں تو میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ میں یہ باتیں اس کے سامنے بھی کہوں"؛ اس کے بعد انہوں نے بظاہر کافی سخت باتیں کیں ' میں حیران سا ہوگیا اور ان کی خدمت میں گذارش کی کہ "جناب یہ طرز عمل کچھ مناسب نہیں لگتا" تو انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں جو باتیں آف دی ریکارڈ کہی جاتی ہیں وہ بھی پہنچ جاتی ہیں اور پھیلتی ہیں تو کیوں نہ ہر بات آن دی ریکارڈ کہی جائے ۔ تو ذہن قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کی طرف مبذول ہوگیا۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (سورۂ قٓ:۱۸)

"وہ کوئی بات منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ایک حاضر باش نگران (فرشتہ لکھنے کو تیار رہتا) ہے"۔ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ ' ہر فعل حتیٰ کہ ہر سانس بھی ریکارڈ کی جارہی ہے اور ایسی جگہ ریکارڈ کی جارہی ہے کہ جہاں ریکارڈ ہمیشہ محفوظ رہتا ہے اور ہر لفظ۔

اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۶) "یاد رکھو) کان، آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن) باز پرس ہونی ہے"۔ اگر یہ پیشِ نظر رہے تو یہ بات مبرہن ہے کہ سب کچھ تو آن دی ریکارڈ ہے آف دی ریکارڈ کیسا۔

آف دی ریکارڈ کا نظریہ تو ان لوگوں کا ہے کہ جن کے خیال میں دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے اور روزِ حساب کا تصور مفقود ہے۔" آف دی ریکارڈ" اور "ازراہِ مذاق" کے تصور نے ہمارے ہاں زبان و قلم کو جو بے راہ روی بخشی ہے اس نے وہ فساد پھیلائے ہیں کہ الامان و الحفیظ۔

یاد رہے کہ مذاق میں کہی گئی بات بھی ریکارڈ ہو رہی ہے اور تمسخر و استہزاء بھی آن دی ریکارڈ ہے اور جب سب کچھ آن دی ریکارڈ آرہا ہے تو ریکارڈ پر تو اقوال و افعال سوچ سمجھ کر ہی لائے جانے چاہئیں!

بقیہ "تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع"

اللہ تعالیٰ کی غلامی کا قلادہ گلے میں سجا لینے والوں کی کوئی مجلس، کوئی تقریب، کوئی محفل چار باتوں سے خالی نہیں ہوتی اور یہ لزوم بھی کسی رسم یا رواج کا مرہونِ منّت نہیں بلکہ انسانِ کامل، رسولِ خاتم، ہادیٔ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فداہ ابی و امّی کی تعلیم کے اتباع میں ہے۔ خلوص و اخلاص سے مزیّن یہی چار فانوس انشاء اللہ ہمارے سالانہ اجتماع کو منوّر رکھیں گے: حمد و ثنا، شکر و سپاس، ایثار و ہمدردی اور دروں بینی و خود احتسابی۔ ہماری تو عیدیں بھی انہیں سے رونق پاتی ہیں۔ اے اللہ تیری خوشنودی کے طالب یہ عاجز بندے تیری عظمت و کبریائی کے ترانے ان طیور سے بہتر نہیں الاپ سکتے جو صبحدم فضاؤں میں شیرینی گھولتے ہیں۔ تیری قدرت و اختیار کی ہم کور چشم کیا گواہی دیں گے جس کی لامحدودیت پر کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ تیرے جلال و جمال کی کارفرمائیاں ہمارے تصور و تخیل کی وسعتوں سے وراء الوراء ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم تیرے انعاماتِ بیحد و بے حساب کا تو کیا، اس احسان کے شکر کا حق بھی ادا کرنے کے قابل نہیں کہ تو نے اپنے منتخب و برگزیدہ بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت اور تعلیمِ کتاب و حکمت کے لئے مبعوث فرمایا، جس نے جان و دل پر پیہم صدمات سہ کر بھی اپنا فرضِ منصبی کماحقہٗ نبھایا ——————— تحریر، اقتدار احمد

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

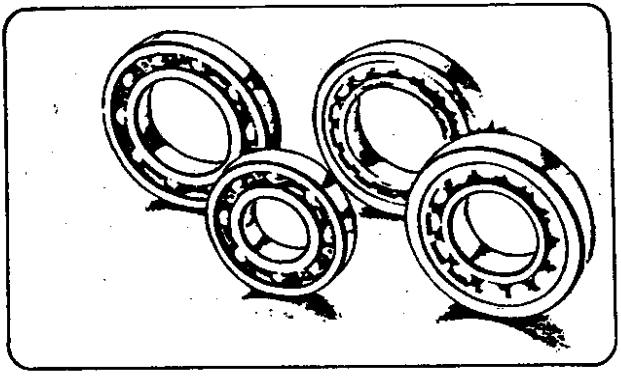

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

all their energies to produce and strengthen that disciplined force which would challenge this spurious system. In religious terms it is "نہی عن المنکر بالید" i.e. to forbid indecency by hand, an obligation of all Muslims and for this they should be committed and disciplined enough to come out on the streets for peaceful demonstration and picketing. Only thus can they check and eradicate evils and vices.

GLOBAL KHILAFAT FOR SURE! BUT THE STARTING POINT?

ON the authority of the Quran and *Hadith-i-Rasool* (SAWS) we are absolutely certain that the above mentioned Caliphate system would eventually get established all over the world. However what cannot be said with certainty is as to what part of the world would be fortunate enough to be chosen for its initiation. Although keeping in view the historical events of the last four hundred years it is strongly hoped that its starting point will be the God-given state of Pakistan. In any case it is the exigency of our belief and the call of our faith (ایمان) that we endeavor for it with all that we have got. I conclude with the prayer "praise be to Allah the Cherisher and Sustainer of the worlds, (واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

بقیہ : الاخوان المسلمون

وزیر اعظم نقراشی پاشا سے ملاقات کی اور ان سے احمد ماہر کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا اور ساتھ ہی جماعت پر سے پابندی اٹھانے کا مطالبہ بھی کیا مگر اس نے یہ مطالبہ بصد استحقار رد کر دیا۔ ۱۹۴۵ء میں جنگِ عظیم کے خاتمہ تک گاہے آزادی اور گاہے پابندی کا یہ سلسلہ چلتا ہی رہا۔ جنگِ عظیم کے ختم ہوتے ہی حالات کا دھارا شدّت و وسعت سے براہِ راست تصادم کی طرف مڑ گیا۔ جس کا بنیادی سبب مصر کی کامل آزادی اور قضیۂ فلسطین میں الاخوان کی دلچسپی و وابستگی تھا۔ (جاری ہے)

☆ ☆ ☆

Moreover, for protection of chastity and honour and for the sake of purity of eyes and heart, Islamic injunctions regarding concealment and veil (ستر و حجاب) will be strictly implemented.

PRACTICAL WAY AND METHODOLOGY

Obviously, these colossal, all-embracing and basic changes are not possible by political process and elections because by such process an established system can be run or at best partially improved but can not be changed. Nor is this possible by fragmentary and gradual reformation as it can bring about only superficial, not fundamental, change. This change can come about through complete revolution for which a revolutionary party is essential, whose adherents enforce the Islamic injunctions on themselves and where-ever they have jurisdiction e.pecially their homes. Subsequently, they should unite and be welded into a real revolutionary group and should be willing to sacrifice in an organized and strictly disciplined way all they have for the cause of Islam. (Hence as an humble endeavor in this regard Tanzim-e-Islami has been organized). However, as a pre-requisite it is essential that exposition of the wisdom and special features of the Caliphate system is made on a large scale so that a great number of people realize it to be an effective positive alternative and panacea for their ills. Therefore, to meet this end, a movement for *Khilafat* in Pakistan is being launched and it is hoped that Muslims of Pakistan will join hands in great number for this noble cause.

A CLARIFICATION AND AN ADVICE

In the end it is necessary to clarify that until the envisioned revolution takes place we forcefully endorse continuation of the present political and electoral process. And in no way do we support the second and the only other alternative i.e. Marshal Law which in our opinion is not less than a deadly poison for Pakistan. However, to people who earnestly desire Islamic Revolution or the establishment of *Nizam-e-Khilafat*, our advice and request is that they disassociate themselves completely from power politics and electioneering and dedicate

in view the geographic, linguistic or cultural factors, provinces may be constituted in such a way that no province would have a population of more than ten million!

(5) Cleansing the economy by complete elimination of interest and gambling. And in its place shaping a new commercial and industrial structure based on the principles of partnership and "Mudaraba".

(6) A complete new land settlement, based on the judgement of Hazrat Umar (Allah be pleased with him) to the effect that territories won by Muslims at any time in war are not "Ushri" lands i.e. individual property but are "Kharajee" i.e. collective property whose cultivators, whether Muslims or non Muslims, pay the revenue directly to the government. This would not only completely eliminate the feudalism and absentee landlordism but would also generate so much revenue that it would obviate many a taxes.

(7) Implementation of Zakat in full i.e. collection of two and a half percent on the aggregate value of the total merchandise from all the Muslims. This would ensure the complete structure of social security and guarantee the basic necessities like food, clothing and shelter, plus education and medicaid for every citizen. The non-muslim citizens will pay corresponding taxes.

(8) Complete legal equality for all. The Caliph of the Muslims and anyone else including the members of "Majlis-e-Milli" or "Majlis-e-Shoora" would not have any legal immunity or any privileges. However in order to take effective measures against evil monger's mischief and slander, harsh penal laws on the lines of penalty for calumny (قذف) would be promulgated.

(9) Implementation of harsh penal laws for abolition of liquor, narcotics and other intoxicants.

(10) Free intermixing of the sexes will be prohibited and in principle separate areas of activity will be determined for men and women. Men and women will have separate educational institutes, hospitals, etc, and the segregation of sexes will be upheld in every facet of social life. Cottage industry will be introduced and if need be, industrial units will be established where only ladies would be workers as well as supervisors. Their work hours too would be short compared to hours for men.

requires a strong popular movement and revolutionary struggle. However, when this revolution comes about and Caliphate system is established, its prominent features will be as follows:-

(1) The pledge to Allah Ta'ala's absolute sovereignty is already there in the "Objective Resolution" which is now an integral part of the constitution of the Islamic Republic of Pakistan. However, for its practical implementation it is imperative to have unconditional superiority, without any exception, of Quran and "Sunnah" over the system as well as the law. In this regard the following unconditional and unambiguous clarification is necessary. While new compilation of the Islamic laws and attempts at new legislation (اجتہاد) will be processed through the legislative assembly or *Majlis-e-Shoora*, as Allama Iqbal has said in his famous lectures, the superior courts of the country will have the authority to declare any law null and void that they consider contrary to the limits, totally or partially, set down by the Quran and Sunnah.

(2) Negation of Mixed Nationality, as a result of which only Muslims will take part in the process of legislation. Though every adult Muslim male and female would have the right of vote for the legislative assembly, only Muslim males, whose character is above board, will be able to participate in the elections as a candidate. As for the non-muslims, full responsibility will be accepted regarding protection of their life and property as well as respect and honour. In addition they will be guaranteed complete freedom in their personal laws as well as religious rites and rituals.

(3) Muslims of the entire country will elect the Caliph by direct franchise. The Caliph will not have to depend on the majority of the legislative assembly or the "Majlis-e-Milli" or the "Majlis-e-Shoora" but like the current well-known presidential system in many countries, he will be given, for a specific period, wide administrative powers.

(4) To end the curse of provincialism and regionalism and to provide the public with greater administrative facilities, provinces will be divided into smaller units and they will be given maximum autonomy and administrative powers. For this purpose the present divisions could be granted the status of provinces or it can be decided that keeping

(8) The distinction between the 'tribal' and 'settled' areas in the N.W.F.P. is still continuing.

KHILAFAT MOVEMENT AND DEFENCE OF PAKISTAN

This scenario of Pakistan calls for a total change in the entire socio-political fabric and the establishment of Islamic system of social justice is urgently needed. This can only be achieved by launching a mass movement and by staking and sacrificing all that the aspirants of Islamic revival have got at their disposal. The system of socioeconomic justice just referred to can be summed up as the system of Caliphate (نظام خلافت) and about which the thinker and visualizer of Pakistan said:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

This in fact was the real purpose of establishing Pakistan and only this can ensure her existence and stability. It is because of deviation from this very cause that the Muslim nation of Pakistan got divided into different regional, ethnic and linguistic nationalities. Thus breaking our vow with Allah and on account of our disloyalty, divine punishment whipped us in 1971. Even now if we do not move towards the real objective of Pakistan, divine punishment could whip us again any time and would whip us more severely. Hence for the defence of Pakistan while it is also imperative that we strengthen our defence forces and procure, as much as we can, all kinds of weaponry and armament and do not abandon our atomic program, as well as sign formal defence pacts with friendly countries, especially China, and continue efforts for reconciliation and understanding with India. Pakistan's real defence, however depends on our introducing and establishing in the country the system of Caliphate in its totality so as to qualify for Allah's help and protection as Ayah 38 of *Suratul Hajj* says "verily God will defend those who believe" ("ان اللہ یدافع عن الذین امنوا").

FEATURES OF CALIPHATE SYSTEM

Obviously, for the Caliphate system just a change of title or label is not enough; rather it needs complete revolution that would come about through sacrifice of wealth and lives and which

entire system is changed radically, blessings of even the best of *Shariah* laws will not be evident and visible!

LEGACY OF THE BRITISH RAJ

The political and economic system inherited from the British Raj has throughout been kept intact; not only in the over all system, but in matters of social and communal values also we are strictly maintaining *status quo*. Both in practice and thought we exhibit the same old slavish mentality. The system to which we are sticking in the political governance of our homeland has the following important features:-

(1) Territorial Nationalism *i.e.* the concept of nationalism that was born of Western secularism and on whose absolute negation Pakistan movement was launched.

(2) Parliamentary Democracy, the initial training of which was imparted to us by our English rulers.

(3) The names and boundaries of the provinces demarcated by the British for their administrative expediency and which we consider not only permanent and everlasting but also sacrosanct.

(4) The banking system on which all our industry and trade, in fact our entire economy is based, is contaminated to this day by the filth of interest. As a result the entire nation and the country is, in the words of the Quran at war with Allah and His Messenger (S.A.W.S).

(5) Accursed evils of gambling, speculation and lottery declared by Quran as "an abomination of Satan's handiwork (رجس من عمل الشیطن) are rampant.

(6) The system of feudalism and absentee landlordism, the worst and most abhorred form of oppression and usurpation and which has basically not changed at all in spite of the so-called land reforms introduced twice.

(7) Mixed (non-segregated) social living that debased the West as far as modesty, chastity and purity are concerned. It destroyed the domestic peace and confounded the family structure. And this thing is such that it did not take roots in our society even during the British rule to the extent it is now in vogue and is increasing by leaps and bounds every day.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful.

PAKISTAN'S FOUNDATION AND ITS OBJECTIVE

It is an undeniable historical fact that India was partitioned on the basis of two nation theory and Pakistan was established on the basis of Muslim nationhood and in the name of Islam. Indeed, Allama Iqbal -- the visualizer and ideologue of Pakistan -- in his address at Allahabad in 1930 had visualized the establishment of a separate state for Muslims consisting of the North-Western area of the Indian Subcontinent with the main objective that Muslims of India, by removing the curtain that had screened Islam's magnificent system of social justice and equity during the long period of monarchy in Muslim lands, get an opportunity to re-establish the original Islamic system of political, economic and social justice which is the most important manifestation of the Holy Prophet's (S.A.W.S.) universal mercy and blessing. In so doing, they would provide a lighthouse of guidance and peace for the whole mankind. Similarly Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jannah - the founder and architect of Pakistan - also demanded a separate homeland for Indian Muslims, so that they could present before the contemporary world a concrete demonstration of Islamic principles of human freedom, fraternity and equality.

OUR SHORTCOMINGS AND SHORTSIGHTEDNESS

We regret to say, however, that in spite of the fact that by the lunar calendar nearly forty six years have passed since Pakistan was established and even by the solar calendar Pakistan is in the forty fifth year of its age, no real progress has as yet been made towards achieving the envisaged goal. We are very faithfully clinging to the same political, economic and social structure that we inherited from the British. And to further aggravate the situation, some semi-religious and semi-political parties in Pakistan have made the demand of promulgation of *Shariah* laws the gamut of their political activity but did not emphasize in the right earnest to uproot and abolish the degenerate politico-economic system which is the real cause of oppression, exploitation and despotism in the country. The fact is that until the

میثاق اپریل ۹۲ء

(1144)

POLITICO-ECONOMIC SYSTEM OF

CALIPHATE

IN PAKISTAN

WHAT, WHY AND HOW?

25/16/36

By

Dr. Israr Ahmad

Ameer-e-Tanzim-e-Islami

And

Da'ee-e-Tehrik-e-Khilafat

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس' بیڈلینن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک' اسکینڈی نیوین ممالک' شمالی امریکہ' روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رُک کر دم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے' ایسی محنت جو کوالٹی' ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad®

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209
کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (21-92)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. 7360
VOL. 41 NO 4
April 1992